© rasailojaraid.com

مرزا سلیم بیگ :

سید محمد کی "ارباب نثر اردو": ایک جائزہ

سید محمد کی "ارباب نثر اردو" (یعنی فورٹ ولیم کالج کے نثر نویسوں کا تحقیقی و تنقیدی تذکرہ) پہلی مرتبہ حیدرآباد (دکن) سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی، اس کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن مکتبۂ ابراہیمیہ، اسٹیشن روڈ، حیدرآباد (دکن) سے ۱۹۳۷ء میں چھپا۔ اس میں سید عبداللطیف رئیس کلیہ، جامعہ عثمانیہ کا "پیش نامہ" بھی شامل ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے مؤلف نے اس کتاب پر طبع دوم کے وقت نظر ثانی بھی کی ہے۔ یہی ایڈیشن اس جائزے میں راقم پیش نظر ہے۔

اس کتاب میں اولاً پیش منظر اور تمہید کے طور پر دو ۲ مختصر باب ہیں۔ اور اس کے بعد ۲۲ مصنفین کے سوانحی کوائف علیٰ فرق مراتب درج ہیں۔ آخر میں تصانیف اور مصنفین کا ایک نامکمل اور غیر معیاری اشاریہ بھی موجود ہے۔

۲۹۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مؤلف نے کوشش کی ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام، پس منظر، اغراض و مقاصد اور اثرات کا جائزہ لے سکیں۔ اپنی اس کاوش میں وہ کہاں تک کامیاب ہوئے؟ اس کا اندازہ اس زمانے کے رسائل و جرائد کے تبصروں سے بھی ہوتا ہے اور اس بات سے بھی کہ یہ کتاب اپنی اشاعت کے بعد سے اب تک کسی نہ کسی حیثیت سے نصاب میں شامل ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور چونکہ اسے اپنے موضوع پر تقدم کی فضیلت حاصل ہے اس لیے حوالے کے طور پر بھی استعمال ہو رہی ہے۔

موضوع کے اعتبار سے اس کتاب کا شمار ادب کی جزوی تاریخوں میں ہوتا ہے۔ اس زمانے میں جب کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ نویسی کی روایت اتنی مستحکم نہیں تھی جتنی کہ آج ہے، لے دے کے دو چار ادبی تاریخیں تھیں جن میں "آب حیات" (۱۸۸۰ء) کے بعد چرنجی لال دہلوی کی "اردو زبان کی تاریخ" (۱۸۸۳ء)، جوئل واعظ لال کی "اردو زبان کی تاریخ" (۱۹۲۰ء)، محمد یحییٰ تنہا کی "سیرالمصنفین" (۱۹۲۴ء) اور شمس اللہ قادری کی "اردوے قدیم" (۱۹۲۵ء) قابل ذکر ہیں۔

مؤلف نے حتی الامکان طریقے سے اس کتاب کو مفید بنانے کی کوشش کی انھوں نے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس وغیرہ سے مخطوطات کی نقول حاصل کیں ۱۔ اور اپنے گرد و پیش کے کتب خانوں کو بھی استعمال میں لائے ہرچند کہ آج تاریخ ادب کی ترتیب و تدوین کا جو معیار ہے اس کے مطابق مؤلف کی یہ کوشش کوئی غیر معمولی حیثیت نہیں رکھتی اور ۱۹۲۷ء کی کتاب کا موازنہ آج کے دور کے معیارات سے کرنا بھی ناانصافی ہے۔

چوں کہ اردو کی ادبی تاریخ نویسی میں اس کتاب کی حیثیت مسلّم ہے اور یہ اب تک مروج بھی ہے اس لیے ذیل میں اس کتاب کی معلومات کا ایک جائزہ مشمولات کے تسلسل کے ساتھ پیش کیا

۱۔ کئی پاورقی حوالوں سے ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں مؤلف کو ڈاکٹر محی الدین قادری زور کا تعاون حاصل رہا جو اس زمانے میں یورپ میں تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے۔ بہ نظر اختصار اس جائزے کو ابتدائی ۲۴۳، صفحات تک محدود رکھا گیا ہے۔

● (باب اول) "اردو نثر فورٹ ولیم کالج سے پہلے" میں مؤلف "اردوے قدیم" کے حوالے سے حضرت شیخ عین الدین گنج العلم کے دکنی رسائل کو اردو کی قدیم ترین مصنفات قرار دیتے ہیں اور ان کے بقول دوسری کتاب خواجہ بندہ نواز کی "معراج العاشقین" ہے۔ (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۳۔)

یہ بیانات نظرثانی کے قابل اور غلط فہمی پر مبنی ہیں، جس کا ازالہ ڈاکٹر جمیل جالبی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"عین الدین گنج العلم کا نام ہر ادبی تاریخ میں لیا جاتا ہے، لیکن ان کی کوئی دکنی تصنیف اب تک دستیاب نہیں ہوئی حتیٰ کہ وہ تین رسالے جن کا ذکر شمس اللہ قادری نے "اردوے قدیم" میں کیا ہے ایک افسانے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ خواجہ بندہ نواز گیسودراز... کی تصنیف معراج العاشقین بھی جو اب تک اردو کی پہلی نثری تصنیف مانی جاتی رہی ہے نہ صرف اس دور کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اس کے مصنف خواجہ گیسودراز کے بجائے مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری ہیں"۔۱

"معراج العاشقین" کے سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس سے پہلے مولانا احسن مارہروی ۲ نے بھی خواجہ بندہ نواز

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: "تاریخ ادب اردو"، (جلد اول) طبع دوم، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵۹۔

۲۔ احسن مارہروی: "نمونۂ منثورات"، طبع نو، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص ۳۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیسودراز کو اس کے مصنف کے طور پر شک کے ساتھ قبول کیا ہے۔

● اس کے بعد مؤلف نے بندہ نواز گیسودراز کے صاحب زادے کے بھی ایک رسالے کا ذکر کیا ہے جو نظم اور نثر میں ہے۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ رسالہ ان کے دوست کو دستیاب ہوا ہے۔ لیکن اپنے اس دوست کے بارے میں کوئی تفصیل ظاہر نہیں کی، لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی نے خواجہ بندہ نواز کے بڑے صاحب زادے سید محمد اکبر حسینی کا ذکر اپنی "تاریخ ادب اردو" میں کیا ہے اور لکھا ہے:

"کسی رسالے کو ان کی تصنیف مان لینے کا اہل تحقیق کے پاس جذباتی تحقیق کے علاوہ کوئی جواز نہیں ہے"۔۱

مزید یہ کہ مؤلف نے سید عبداللہ حسینی کو بغیر کسی حوالے کے خواجہ بندہ نواز کا نواسہ بتایا ہے، جبکہ یہ ایک اختلافی موضوع ہے اور اس سلسلے میں مؤرخین کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً حکیم شمس اللہ قادری ۲ نے انہیں بندہ نواز کا پوتا اور ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ۳ نے صاحب سیر محمدی کے حوالے انہیں بندہ نواز کی نواسی کا شوہر اور سید ابوالمعالی کا فرزند بتایا ہے۔

● اس کے بعد حضرت میراں یعقوب کے ترجمے "شمائل الاتقیاء" کے نام کے بعد قوسین میں ھجری سال ۱۰۷۸ لکھا ہے۔ جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ "شمائل الاتقیاء" کی تکمیل کا سال

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: "تاریخ ادب اردو"، (جلد اول)، ص ۱۶۰۔

۲۔ حکیم سید شمس اللہ قادری: "اردوئے قدیم"، طبع اوّل، حیدرآباد (دکن)، تاج پریس، س ن، ص ۴۴۔

۳۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ: "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء"، کراچی، کریم سنز پبلیشرز، ۱۹۷۸ء، ص 115۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، جبکہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق یہ ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء ۱ میں مکمل ہوا۔

● صفحہ ۴، پر "سب رس" کا سنہ تصنیف ۱۰۴۴ھ ظاہر کیا گیا ہے، اور یہ غلطی بعد کے ایڈیشنوں میں بھی اسی طرح چلی آتی ہے۔ جب کہ "سب رس" کے خاتمے میں وجہی خود لکھتا ہے "بارے جس وقت تھا یک ہزار چہل و پنج ظہور پکڑیا یہ گنج "۲ یعنی "سب رس" کا صحیح سال تصنیف ۱۰۴۵ ھ ہے۔

● صفحہ ۵ پر مؤلف کا بیان ہے کہ:

اردو نثر میں تقدم کی فضیلت کا سہرا مؤلف سے پہلے اور بعد میں بھی کئی لوگوں نے فضلی کے سر باندھا ہے جن میں آزاد ۳، تنہا ۴ اور مولوی عبدالحیؒ ۵ قابل ذکر ہیں۔ لیکن اب اسی سلسلے میں ڈاکٹر نجم الاسلام ۶ اپنے ایک تحقیقی مضمون "فضلی کی کربل کتھا" کے تیسرے حصے (کربل کتھا سے قدیم نثری تصنیف) میں متعدد ایسے نثری شاہکاروں کا ذکر کرتے ہوں جو

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: "تاریخ ادب اردو"، (جلد اوّل)، ص ۵۰۱۔

۲۔ ملاّ وجہی: "سب رس" ڈاکٹر، مولوی عبدالحق طبع چہارم، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۷ء ص ۲۷۵۔

۳۔ محمد حسین آزاد: "آب حیات"، طبع شانزدہم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۴ء، ص ۲۳۔

۴۔ محمد یحیٰی تنہا: "سیرالمصنفین" (جلد اوّل)، لاہور، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، س ن، ص۔

۵۔ سید عبدالحیؒ: "گل رعنا" طبع اوّل، لاہور، عشرت پبلشنگ ہاوس، ۱۹۶۴ء، ص ۳۲۔

۶۔ ڈاکٹر نجم الاسلام: "مطالعات"، طبع اول، حیدرآباد، ادارۂ اردو، ۱۹۹۰ء، ص ۱۸۴ تا ۱۸۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فضلی کی "کربل کتھا" سے زیادہ قدیم ہیں، ان میں ایک "تفسیر ہندی" از قاضی محمد معظم سنبھلی بھی ہے جو بقول ڈاکٹر سلوم حامد رضوی ۱۱۳۱ھ/۱۷۸۱ء کی تصنیف ہے۔

● اسی ضمن میں مؤلف نے مرزا سودا سے ایک نثری دیباچہ کلیات بھی منسوب کیا ہے، جو صریحاً غلط ہے اسی کو دیگر مصنفین مثلاً شیخ چاند۱ اور ڈاکٹر جمیل جالبی۲ نے مثنوی سبیل ہدایت کا دیباچہ کہا ہے جبکہ اسے نثری دیباچہ رسالۂ سبیل ہدایت کہنا چاہیے کیونکہ اس میں سودا نے اول محمد تقی کے ایک مرثیے کی شرح بصورت تنقیص کی ہے جس کے بعض اجزاء بصورت مثنوی ہیں مگر سبیل ہدایت کی نثر درمیان میں آتی ہے اور اس کے بعد ایک مرثیے کا بند وار منظوم تجزیہ آتا ہے جو بشکل مربع ہے نہ کہ بصورت مثنوی، اس لیے پورے رسالے کو مثنوی سبیل ہدایت کہنے کے بجائے رسالہ سبیل ہدایت کہنا بہتر ہوگا۔۳

● اسی ذیل میں سید محمد نے سودا کی اردو نثر شعلہ عشق کے خلاصے کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ تا حال معدوم اور مشکوک ہے۔ اس کا ذکر احتیاط اور شک کے ساتھ کیا جانا چاہیئے۔

● اس کے بعد مؤلف نے محمد حسین کلیم کے ترجمۂ "فصوص الحکم" کا ذکر کیا ہے، گویا یہ بھی اردو نثر میں تھا جبکہ ڈاکٹر نجم الاسلام کے مطابق:

۱۔ شیخ چاند: "سودا"، طبع دوم، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۰ تا ۱۰۱۔

۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: "تاریخ ادب اردو"، جلد دوم حصہ دوم، ص ۶۶۳-۶۶۴۔

۳۔ سودا: "کلیات سودا"، (جلد دوم)، طبع پنجم، لکھنؤ، مطبع نول کشور پریس، ۱۹۳۲ء، ص ۴۵۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"میر حسن نے ترجمۂ فصوص کو زبان ریختہ میں بتایا ہے، جس سے ترجمۂ فصوص کا منظوم ہونا مراد ہے۔ مصحفی نے تذکرہ هندی ۱ میں ترجمہ فصوص کے لیے صراحۃً "بہ سلک نظم کشیدہ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جس کے بعد ترجمۂ فصوص کے منظوم ہونے میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، ۲۔

● اسی ضمن میں مؤلف نے شاہ عبدالقادر دہلوی کے "ترجمۂ قرآن" [صحیح: موضح قرآن] ۳ کا ذکر کیا مگر شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمۂ قرآن (قیاساً ۱۲۰۰ھ و ۱۲۰۳ھ) کو نظر انداز کر دیا۔

اسی صفحے پر مؤلف نے "نوطرز مرصع" کے مصنف کا نام عطا حسن خاں تحسین لکھا ہے، جب کہ درست "میر محمد حسین عطا خاں تحسین" ۴ ہے۔

۱۔ غلام ہمدانی مصحفی: "تذکرۂ ہندی" مرتبہ مولوی عبدالحق، طبع اول، اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء، ص ۱۹۷۔

۲۔ ڈاکٹر نجم الاسلام: "مطالعات"، ص ۱۸۳-۱۸۴۔

۳۔ اکثر مصنفین نے غلط طور سے اس کا نام "موضح القرآن" درج کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، شاہ عبد القادر دہلوی نے اپنے اس ترجمے کو تاریخی نام "موضحِ قرآن" دیا ہے، جس سے ۱۲۰۵ ہجری بر آمد ہوتے ہیں۔

۴۔ میر محمد حسین عطا خاں تحسین: "نوطرز مرصع"، مرتبہ نور الحسن ہاشمی، طبع اول، الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی، ۱۹۵۸ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● (باب دوم) "فورٹ ولیم کالج" کے عنوان سے ہے اس میں صفحہ ۱۰ پر مؤلف نے کالج کے افتتاح کی تاریخ ۴ مئی ۱۸۰۰ء درج کی ہے، مؤلف کا یہ بیان وضاحت طلب ہے، کالج کے افتتاح کی تاریخ کا پس منظر ڈاکٹر نجم الاسلام کے مطابق یہ ہے کہ:

"بنگال میں فورٹ ولیم میں ایک کالج قائم کرنے ... کے لیے ضابطہ منظور کردہ گورنر جنرل باجلاس کونسل بتاریخ ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء، ۱۷۰۰ء، صفر ۱۲۱۵ھ، لیکن ہز لارڈ شپ کے حکم خاص کے ذریعے اس پر تاریخ ۴ مئی ۱۸۰۰ء درج ہے"۱

● صفحہ ۱۴، پر مؤلف نے اسی عام غلطی کو دہرایا ہے جس کے مطابق گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج کے صدر تھے جبکہ وہ کالج کے صدر نہیں بلکہ شعبہ ہندوستانی کے پروفیسر تھے اس کی مزید تفصیل گل کرسٹ کے عنوان تحت آئے گی۔

● صفحہ ۱۵، مؤلف کا بیان ہے کہ:

"یہ کالج عروج و زوال کے مدارج طے کرتا ہوا تقریباً کمپنی کے خاتمے اور ہندوستان پر حکومت برطانیہ کے تسلط تک جاری رہا"

یہ بیان مبہم اور طلبہ کی ضروریات سے کم ہے، اس کالج کے عروج و زوال کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کا افتتاح ۱۰، جولائی ۱۸۰۰ء کو ہوا، اسی سال ۲۴ نومبر کو یہاں باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا ۱۸۲۵ء میں جب ہالٹ میکینزی کالج کونسل کے صدر ہوئے تو اسی زمانے میں اس قسم کے سوالات اٹھنے لگے کہ جن

۱۔ ڈاکٹر نجم الاسلام: مطالعات"، ص ۱۱۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقاصد کے لیے کالج قائم کیا گیا تھا وہ اس سے حاصل ہو رہے ہیں یا نہیں، ان کے بعد ۱۸۲۸ء میں ولیم بینٹنک آئے یہ بھی میکنزی کی طرح کالج کے خاتمے پر مصر تھے۔ چنانچہ انھوں نے مارچ ۱۸۳۱ء میں کالج کونسل برخاست کر کے لائبریری کی کتب ایشاٹک سوسائٹی کو منتقل کردیں۔ اور ۱۸۳۵ء میں اس کالج کے دروازے طلبہ پر بھی بند ہو گئے۔ پھر ۱۸۴۸ء میں کالج کے پرانے طالب علم میجر جارج ٹی مارشل کالج کے سکریٹری ہوئے تو انھوں نے اس کی بازیافت کی کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ آخر ڈلہوزی کے زمانے میں ۲۴ جنوری ۱۸۵۴ء کو کالج کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔

● صفحہ ۱۶، پر مؤلف ڈاکٹر جان گل کرسٹ کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں کہ:

"بلاشبہ ڈاکٹر جان گل کرسٹ اردو کے ان چند محسنوں اور سرپرستوں میں سے ایک ہیں جن کے بار احسان سے اردو زبان کبھی سبک دوش نہ ہوگی۔ رہتی دنیا تک اردو کے محسنوں میں ان کا نام باقی رہے گا۔ یہ انھی کی مسیحا نفسی تھی کہ اردو نثر کے قالب مردہ میں جان پڑگئی۔ . . اگر وہ اردو نثر کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اہل زبان کو ان کے خواب غفلت سے بیدار نہ کرتے تو شاید ایک عرصے تک اسی عالم جمود میں رہتی جو ان کی مساعی شروع ہونے سے قبل اس پر طاری تھا...الخ"

مؤلف کا مذکورہ نقطۂ نظر مبالغے پر مبنی اور یک طرفہ ہے۔ یہ بیان کالج میں گل کرسٹ کی کارگذاری اور اس کے اثرات پر جزوی طور سے تو صادق آتا ہے لیکن اس سے مکمل اتفاق آج کے طالب علم کے لیے ممکن نہیں۔ کیوں کہ کالج سے باہر کے ان مصنفین کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نثری خدمات کسی طور پر نظرانداز نہیں کی جا سکتیں جو اردو کی ترقی کی طرف پہلے ہی قدم اٹھا چکے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کالج کے قیام سے اس ترقی کی رفتار میں اضافہ ہوا۔ لیکن یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ گل کرسٹ نے اردو کے قالبِ مردہ میں جان ڈالی یا انھوں نے اہلِ زبان کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔

● صفحہ ۱۸ پر مؤلف مزید لکھتے ہیں کہ:

> "کمپنی کے عہدے داروں نے ان (گل کرسٹ) کی مستعدی و اعلیٰ قابلیت کے مد نظر ۱۷۸۲ء میں ان کو طبی عہدے دار مقرر کیا اور یہ بمبئی پہنچے جہاں سے ایک سال بعد کلکتہ بھیجے گئے"۔

محمد عتیق صدیقی اس کی تردید یوں کرتے ہیں "گل کرسٹ کو انگلستان میں بھرتی کیا گیا اور پھر وہ کلکتے آیا یہ باتیں سرے سے غلط ہیں" ۱۔ اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی میں گل کرسٹ کی ملازمت سے متعلق کرنل چارلس مارگن کی چٹھی، مرقومہ ۲۶ جنوری ۱۷۸۳ء کی عبارت نقل کرنے کے بعد عتیق صدیقی مزید رقم طراز ہیں:

> "سب سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اس سے تذکرہ نگاروں کے اس عام خیال کی واضح تردید ہوتی ہے کہ گل کرسٹ براہ راست انگلستان سے بھرتی ہو کر ہندوستان آیا تھا ... گل کرسٹ کے ہندوستان ہی میں بھرتی کیے جانے کا ایک اور بھی دستاویزی ثبوت

۱۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، طبع دوم، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۷۹ء، ص ۳۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم کو ملتا ہے ۔۔۔ میجر اس ڈی برٹ کی ایک سفارشی چٹھی ہے"۔۱

● اس کے بعد گل کرسٹ کی اس رخصت سے متعلق جو اس نے اردو زبان کی تحصیل کے لیے مانگی تھی مؤلف لکھتے ہیں "یہ (گل کرسٹ) اپریل ۱۷۸۵ء میں ہی کلکتے سے نکل کر فیض آباد پہنچے" یعنی جس وقت مذکورہ طویل رخصت منظور ہوئی گل کرسٹ کلکتے میں تھے، جب کہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۲ اور محمد عتیق صدیقی ۳ کے مطابق وہ اس وقت فتح گڑھ میں مقیم تھے۔

● صفحہ ۲۰ ، پر مؤلف کا بیان ہے :

"گورنر جنرل کی متواتر کوششوں پر ۱۸۰۰ء میں ان کی اصل تجویز میں بہت کچھ تخفیف و ترمیم کر کے فورٹ ولیم کالج قائم کرنے کی منظوری دی۔"

مؤلف کا یہ بیان بھی نامکمل ہے، اس کالج کے قیام کی تاریخ اور پس منظر ڈاکٹر نجم الاسلام کی تصنیف "مطالعات" اور محمد عتیق صدیقی کی تصنیف "گل کرسٹ اور اس کا عہد" میں دستیاب ہے دلچسپی رکھنے والے حضرات رجوع کر سکتے ہیں۔

● صفحہ ۲۰ ،

"گورنر جنرل نے اس کالج کی صدارت کے لیے سب سے زیادہ موزوں ڈاکٹر گل کرسٹ کو پایا اور ۔۔۔ صدر مقرر کیا"۔

۱۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد" ص ۳۹۔
۲۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، طبع اول، لکھنؤ، نصرت پبلی شرز، ۱۹۸۳ء، ص ۸۱۔
۳۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۴۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ کی صحیح حیثیت سے متعلق یہ ایک بڑا ادبی مغالطہ ہے ، جس کا شکار تقریباً سب ہی مورخین اور تذکرہ نگار ہوئے ، اس سلسلے میں جوئیل واعظ لال ۱ رام بابو سکسینہ ۲ محمد یحییٰ تنہا ۳ نادم سیتاپوری ۴ حامد حسن قادری ۵ اور ڈاکٹر سید اعجاز حسین ۶ وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں ، ان حضرات نے اوّل تو گل کرسٹ کو پرنسپل ہی لکھا ہے اور اگر نہیں تو "کالج کے تعلیمی محکمے کا مہتمم"، "کالج کا افسر اعلیٰ" "یا فورٹ ولیم کالج کے محکمے کا بانی" کے الفاظ لکھ کر اس خیال کی تائید ضرور کی ہے۔ لیکن اب اس کی واضح تردید ہوچکی ہے۔ محمد عتیق صدیقی " گل کرسٹ اور اس کا عہد" میں کلکتہ گزٹ کی فائل میں ۲۹ ستمبر ۱۸۰۰ء کے ایک غیر معمولی شمارے کے حوالے سے گل کرسٹ کا ذکر شعبۂ ہندوستانی (اردو) کے پروفیسر

۱- جوئیل واعظ لال : "اردو زبان کی تاریخ" ، طبع اول ، دھلی ، دلی پرنٹنگ ورکس ، ۱۹۲۰ء ، ص ۸۹ ۔

۲- رام بابو سکسینہ : "تاریخ ادب اردو"، (حصۂ نثر) مترجمہ عسکری، لکھنؤ ، مطبع نول کشور ، ص ۶ ۔

۳- محمد یحییٰ تنہا : "سیرالمصنفین" ، (جلد اول) ص ۵۵ ۔

۴- نادم سیتاپوری : "فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی" ، لکھنو ، ادارۂ فروغ اردو ، ۱۹۵۹ء ، ص ۲۳۷ ۔

۵- حامد حسن قادری : "داستان تاریخ اردو" ، طبع اول ، آگرہ ، لکشمی نرائن اگروال ، ۱۹۴۱ء ، ص ۸۶ ۔

۶- ڈاکٹر سید اعجاز حسین : "مختصر تاریخ ادب اردو"، تیسرا پاکستانی ایڈیشن ، کراچی ، اردو اکیڈمی سندھ ، ۱۹۷۱ء ، ص ۲۳۵ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حیثیت سے کرتے ہیں اور آگے چل کر اسی شمارے کے حوالے سے اطلاع دیتے ہیں کہ کالج کے انتظامی امور سرانجام دینے کے لیے گورنر جنرل نے کونسل بھی بنائی تھی جس میں پادری ڈیوڈ براؤن پرو۔ووسٹ (پرنسپل)" کی حیثیت رکھتے تھے۔ کیوں کہ "کالج کے سربراہ کے عہدے کے لیے جو لازمی شرط ضابطے میں رکھی گئی تھی، یہ تھی کہ کالج کا پرو۔ووسٹ کلیسائے انگلستان کا پادری ہوگا"۔۱ چونکہ گل کرسٹ اس صفت سے متصف نہ تھے اس لیے ان کے پرنسپل ہونے کا سوال خارج از بحث ہے۔ اور ریورنڈ ڈیوڈ براؤن چوں کہ فورٹ ولیم کا بڑا پادری (فرسٹ چپلین) اور کلکتہ بائبل سوسائٹی کا بانی تھا اس لیے وہی فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل مقرر ہوا۔

مذکورہ بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ کالج سے منسلک ہوتے وقت گل کرسٹ کی حیثیت "صرف ہندوستانی پروفیسر کی تھی۔ اور کالج سے مستعفی ہونے تک وہ اسی عہدے پر مامور رہا"۔۲ ہرچند کہ کالج کے جملہ متعلقہ امور میں گل کرسٹ کی رائے اہمیت رکھتی تھی، لیکن جہاں تک صحیح حیثیت کا تعلق ہے، متعلقہ نصابی کتب کی تیاری اور "اردو کی تدریس گل کرسٹ کے ذمے تھی جسے ملازمتی درجے میں دوسرے پروفیسروں سے بہ اعتبار تنخواہ کم تر رکھا گیا"۔۳

۱۔ ڈاکٹر نجم الاسلام: "مطالعات"، ص ۵۱۔

۲۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۴۲۔

۳۔ ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد: "اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" طبع اول، لاہور، مکتبۂ خیابان ادب، ۱۹۸۵ء، ص ۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے علاوہ وہ کتب جو گل کرسٹ کی پروفیسری کے عہد میں شائع ہوئیں، ان کتابوں کے سرورق کی عبارت سے بھی اس کی پروفیسری کی تائید ہوتی ہے۔ یہی بات خود گل کرسٹ کی ان تالیفات کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جو اس نے وطن واپس جانے کے بعد انگلستان سے شائع کی تھیں۔

جیسا کہ محمد عتیق صدیقی صراحت کرتے ہیں کہ:

"اس مضحکہ خیز غلطی سے انگریزی کی مستند ترین کتابیں مثلاً 'ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی'، 'میڈیکل آفیسرز آف انڈین آرمی'، 'انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا' اور 'ڈکشنری آف انڈین بایوگرافی' وغیرہ بھی پاک نہیں ہیں"۔۱

جب کہ آج سے ڈیرھ صدی پیش تر تھامس روبک نے اپنی تصنیف "Annals of the College of Fort William" (۱۸۱۹ء) میں صحیح صورت حال درج کرتے ہوئے ڈیوڈ براؤن کو کالج کا پرنسپل اور گل کرسٹ کو ہندوستانی کا پروفیسر لکھا تھا"۔

● اس کے بعد مؤلف مزید لکھتے ہیں کہ "خرابی صحت کی وجہ سے ان (گل کرسٹ) کو ۱۸۰۴ء میں علیحدہ ہو جانا پڑا" (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۲۱) اس سلسلے میں سکسینہ ۲ اور سید وقار عظیم ۳ بھی مؤلف کے ہم خیال ہیں، لیکن ڈاکٹر عبیدہ بیگم کے مطابق:

۱۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۲۶-۲۷۔

۲۔ رام بابو سکسینہ: "تاریخ ادب اردو"، ص ۶۔

۳۔ سید وقار عظیم: "فورٹ ولیم کالج ۔ تحریک اور تاریخ"، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، طبع دوم، لاہور، یونیورسل بکس، ۱۹۸۸ء، ص ۲۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہندوستانی (اردو) زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے جو خاکہ ان کے ذہن میں تھا اس کے لیے کالج کونسل نے ان کی قطعی ہمت افزائی نہیں کی۔ کالج کونسل کی سرد مہری اور حوصلہ شکنی سے عاجز آکر انہوں نے ۱۸۰۴ء میں قطعی طور سے یورپ لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ انکی صحت بھی مالوں سے خراب تھی چنانچہ اسی کو بنیاد بناکر ۲۳، فروری ۱۸۰۴ء کو انہوں نے کالج کونسل کو۔ ۔ ۔ استعفیٰ قبول کرنے کی درخواست کی۔ ۲۱، فروری ۱۸۰۴ء کی کالج کونسل کی کاروائی میں انکا استعفیٰ منظور کرلیا گیا"۔ ۱

ڈاکٹر عبیدہ بیگم نے کالج کونسل کے جس سرد مہر اور حوصلہ شکن رویے کا ذکر کیا ہے اس کی تفصیل ڈاکٹر نجم الاسلام نے اپنے ایک پراز معلومات تحقیقی مقالے "فورٹ ولیم کالج۔ کچھ قابل ذکر معلومات" میں خلاصۃً درج کی ہے۔

یہاں ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے ڈاکٹر نجم الاسلام کے مقالے سے وہ الفاظ نقل کر رہے ہیں جس میں گل کرسٹ کے استعفے اور ہندوستان سے روانگی کے پس منظر کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے، ملاحظہ کیجئے:

"گل کرسٹ کا استعفیٰ اور ہندوستان سے روانگی بھی ایک شدید مذہبی پس منظر لیے ہوئے ہے"۔ ۲

اور محمد عتیق صدیقی کے مطابق "ہندوستانی زبانوں میں انجیل کے ترجمے کا مسئلہ ہی فورٹ ولیم کالج سے گل کرسٹ کی

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۸۹۔
۲۔ ڈاکٹر نجم الاسلام: "مطالعات"، ص ۶۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبک دوشی کا سبب بن گیا"۱ اور اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد نے کالج سے گل کرسٹ کی علیحدگی کے مندرجہ ذیل اسباب بتائے ہیں:

"الف ۔ شعبہ ہندوستانی کے تصنیفی کام کے بارے میں افسران بالا کا غیر ہمدردانہ رویہ اور تنخواہ کا معاملہ۔

ب۔ گل کرسٹ کی بیماری جس کا ذکر اس نے اپنے استعفے میں کیا ہے۔

ج ۔ کالج میں ایک مباحثے کے عنوان پر مذہبی کشیدگی۔" ۲

اس کے بعد مؤلف کا بیان ہے کہ:

"کمپنی نے ان کی مساعی جمیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے گورنر جنرل کی سفارش پر سالانہ تین سو پونڈ کا وظیفہ مقرر کر کے انھیں اس خدمت سے سبکدوش کر دیا" (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۲۱)

سراسر مؤلف کے اپنے ذہن کی اختراع معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ کسی اور ذریعے سے اس اطلاع کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنی اطلاع کا ماخذ نہیں بتاتے۔

● بعد ازاں اسی صفحے پر مؤلف مزید رقم طراز ہیں کہ:

"گل کرسٹ نے چار سال کی قلیل مدت میں اطراف ہند سے لایق عالموں اور ماہر اشخاص کو کلکتے میں جمع کر کے ان سے بیسوں مفید کتابیں ترجمہ کرائیں" (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۲۱)۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبیدہ بیگم کی رائے یہ ہے کہ:

۱۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۱۶۳۔

۲۔ ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد: "اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ"، ص ۷۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فورٹ ولیم کی نثر اور نثر نگاروں کے سیاق و سباق میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ جن لوگوں نے کالج میں ملازمت اختیار کی ان میں سے بیشتر اس عہد کے ادب اور شاعری، میں گمنام تھے، اس وقت تک ان کی کوئی ادبی حیثیت نہیں تھی۔ . . عوام و خواص کے نزدیک انگریزوں کی ملازمت کو گری ہوئی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جن ادیبوں نے کالج میں ملازمت اختیار کی وہ غم دوراں کے مارے اور تباہ حال لوگ تھے۔ ان میں سے بیشتر شاعر بھی تھے لیکن شاعری میں ان کے مقام کا اندازہ اسی سے ہو جاتا ہے کہ اس عہد کے اکثر تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں۔" ۱

● صفحہ ۳۳، گل کرسٹ کی موت سے متعلق مؤلف کا بیان ہے کہ "۸۸ برس کی عمر میں ۹ جنوری ۱۸۴۱ء کو اردو کا یہ بےلوث بہی خواہ دنیا سے رحلت کر گیا" اس سے پہلے کے صفحات میں مؤلف نے گل کرسٹ کا سن ولادت ۱۷۵۹ء درج کیا ہے اور یہاں سنہ وفات ۱۸۴۱ء بتاتے ہیں اگر ان دونوں سنوں کو درست مان لیا جائے تو گل کرسٹ کی کل عمر ۸۲ سال بنتی ہے، ۸۸ سال نہیں۔ ویسے محمد عتیق صدیقی ۲ کے مطابق گل کرسٹ کا سال وفات ۱۸۴۸ء ہے۔ اسے اگر درست مان لیا جائے تو گل کرسٹ کی کل عمر ۸۹ سال بنتی ہے۔ لیکن عتیق صدیقی کے دیے ہوئے اس سنہ وفات کی تصدیق بھی کسی اور ذریعے سے نہیں ہوتی، کیونکہ

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۷۵-۷۶۔

۲۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۳۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۱ اور ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد ۲ دونوں نے ھی اس موقعے پر ۱۸۴۱ء سے اتفاق کیا ھے۔

● اسی صفحے پر مؤلف نے گل کرسٹ کی تصانیف کے ذیل میں "انگریزی ھندوستانی لغت" کا سنہ طباعت ۱۷۹۲ء درج کیا ھے اور حامد حسن قادری ۳ نے ۱۷۹۳ء درج کیا ھے جبکہ محمد عتیق صدیقی ۴ نے بعض دستاویزی شہادتوں کے حوالے سے ۱۷۹۰ء درست قرار دیا ھے۔

● صفحہ ۴۳، کالج میں گل کرسٹ کے ساتھ ساتھ کیپٹن تھامس روبک کی حیثیت کے بارے میں بھی مؤلف شدید غلط فہمی کا شکار ھیں، چناں چہ لکھتے :

> "جب ۱۸۰۴ء میں ڈاکٹر گل کرسٹ کالج کی صدارت اور اردو کی پروفیسری سے سبکدوش ھوگئے تو یہی ان کی جگہ مامور ھوئے۔"

حالانکہ تھامس روبک کبھی بھی شعبہ ھندوستانی کے پروفیسر نہیں ھوئے، اور گل کرسٹ کی روانگی کے بعد یعنی دسمبر ۱۸۰۵ء تک کسی کا تقرر شعبے میں پروفیسر کی حیثیت سے نہیں ھوا، اس دوران کیپٹن ماؤنٹ جو اسسٹنٹ پروفیسر تھے وھی یہ تمام ذمے داریاں نبھاتے رھے حتیٰ کہ "یکم جنوری ۱۸۰۶ء کو انھیں کالج کونسل

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم : "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۹۲۔

۲۔ ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد : "اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ"، ص ۷۶۔

۳۔ حامد حسن قادری : "داستان تاریخ اردو"، ص ۷۴۔

۴۔ محمد عتیق صدیقی : "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۵۹ و ۲۶۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جانب سے پروفیسر کا عہدہ دے دیا گیا"۔۱ اور رہا سوال کالج کی صدارت کا تو اس سے نہ تو خود گل کرسٹ کا تعلق تھا اور نہ ان کے بعد تھامس روبک کا ہوا۔

● اسی صفحے پر مؤلف مزید رقم طراز ہیں کہ "کپتان جوزف ٹیلر بھی فورٹ ولیم کالج میں اردو کے پروفیسر تھے۔"

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۲ جان ولیم ٹیلر کے ذکر میں ایک حاشیے میں یہ وضاحت کرتی ہیں کہ "جوزف ٹیلر کا فورٹ ولیم کالج سے کوئی تعلق نہ تھا" البتہ کیپٹن جان ولیم ٹیلر شعبۂ ہندوستانی کے پروفیسر رہے۔ اس کے بعد مؤلف نے جوزف ٹیلر کی تالیف کی ہوئی انگریزی اردو لغت کو گل کرسٹ اور کپتان ٹامس روبک کی تالیفات کے ہم پلہ قرار دیا ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔

● صفحہ ۳۸، میر امن کے ذکر میں مؤلف رقم طراز ہیں کہ "ان کا اصلی نام میر امان تھا اور امن تخلص" میر امن کے سلسلے میں یہی بیان اور بھی کئی مؤرخین نے دیا ہے، لیکن کسی نے کوئی حوالہ یا ثبوت اب تک پیش نہیں کیا، ایسی صورت میں "باغ و بہار" اور "گنج خوبی" کے دیباچوں پر ہی استناد کرنا پڑے گا جہاں خود میر امن نے وضع طور پر "میر امن دلی والا" ۳ لکھا ہے۔

● صفحہ ۴۰، مؤلف لکھتے ہیں کہ :

"دہلی سے نکلنے کے بعد . . . عظیم آباد (پٹنہ) پہنچے اور یہاں بری بھلی طرح چند سال بسر کیے"

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۱۰۲-۱۰۳۔
۲۔ ایضاً، ص ۱۰۰۔
۳۔ میر امن دہلوی: "باغ و بہار"، مرتبہ سید ابوالخیر کشفی، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۵ء، ص ۷۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالانکہ میر امن نے "عمر کا بیشتر حصہ یعنی تقریباً ۳۶ برس، عظیم آباد میں بسر کیے"۔ ۱

● صفحہ ۴۴، پر "باغ و بہار" کے سنہ تالیف کے بارے میں مؤلف کا بیان ہے "۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء میں شروع ہوئی اور ۱۲۱۷ھ میں انجام کو پہنچی"۔ ہر چند کہ مؤلف کے اس بیان کی تائید "باغ و بہار" اور "گنج خوبی" کے دیباچوں سے بھی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر مصنفین نے اسے درست تسلیم کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ لیکن اب محمد عتیق صدیقی کو بعض ایسی دستاویزی شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں جن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب "چار درویش کے نام سے ۱۸۰۱ء کے اواخر میں مکمل ہو چکی تھی" ۲ ان میں سے ایک تو خود میر امن کی عرضی ہے، جس پر تاریخ درج نہیں جو انھوں نے ملازمت کے لیے لکھی تھی اور اس کے ساتھ یہ کتاب اپنی لیاقت و اہلیت کی سند کے طور پر پیش کی تھی۔ چوں کہ کالج کونسل کے رجسٹر کے مطابق ان کے تقرر کی تاریخ ۱۹، اپریل ۱۸۰۱ء ہے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ "چار درویش" ۱۸۰۱ء سے پہلے مکمل ہو چکی تھی۔

دوسرا اور سب سے اہم بیان گل کرسٹ کا ہے جس کے مطابق ۱۲، جنوری ۱۸۰۲ء کو "چار درویش" ہرکارہ پریس میں چھپ رہی تھی اور اس تاریخ تک اس کے ۵۸ صفحات چھپ چکے تھے، اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ یہ کتاب ۱۸۰۱ء کے اواخر میں مکمل ہو چکی تھی۔ پھر بوجوہ دیگر کتب کے ساتھ اس کی

۱۔ میر امن دہلوی: "باغ و بہار"، مرتبہ ممتاز منگلوری، طبع اول، لاہور، مکتبۂ خیابان ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۳۷۔

۲۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۱۳۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشاعت بھی رک گئی۔ بعد ازاں یہ مطبوعہ اجزاء، انتخابی مجموعے 'ھندی مینول' کے نام سے ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئے۔ اس میں "چار درویش" کے بھی ۱۰۲ صفحات شامل تھے۔

اس نتیجے تک پہنچتے ہوئے محمد عتیق صدیقی نے یہ امکان بھی مدنظر رکھا ہے کہ جب جنوری ۱۸۰۲ء میں دیگر کتب کے ساتھ "چار درویش" کی طباعت بھی ملتوی ہوگئی تو میر امن نے اس کے مسودے پر نظرثانی کرکے اس کو باغ و بہار بنایا ہو اور اسی مناسبت سے اس کا سنہ تالیف ۱۲۱۷ ھجری مطابق ۱۸۰۲ء قرار دیا ہو۔

● صفحہ ۶۶، حیدربخش حیدری کے ذکر میں مؤلف نے ان حضرات کے ناموں میں سے جن سے حیدری نے کسب فیض کیا ہے سید جماعت علی رضوی ۱ کو نظرانداز کر دیا۔ اس کے علاوہ مؤلف اس باب میں بھی خاموش ہیں کہ حیدری کب تک بنارس میں رہے اور کب کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مزید یہ کہ حیدری کب فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوئے اور کس عہدے اور کس تنخواہ پر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کالج سے حیدری کا تعلق کب تک رہا، یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب بھی اس کتاب میں نہیں ملتے۔ گو کہ متعلقہ دیگر کتب میں مل سکتے ہیں۔

● صفحہ ۶۷، مؤلف کا بیان ہے کہ "حیدری کے متعلق تذکرہ نویسوں نے کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ ان کے معاصرین کے تذکرے بھی ان کے حالات سے خالی ہیں" اس کے بعد انھوں نے صاحب

۱۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "گلشن ہند"، مرتبہ مختارالدین احمد، طبع اول، دلی، علمی مجلس، ۱۹۶۷ء، ص ۱۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سخن شعراء" عبدالغفور خاں نساخ کا وہ بیان نقل کیا ہے جو حیدری سے متعلق ہے اور چند سطور کے بعد پھر یہ جملہ لکھا ہے "تذکرہ نویسوں کی بے اعتنائی سے ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفامیں رہے۔" جب کہ اسی صفحے پر "سخن شعرا" اور اگلے صفحے پر "ریاض الوفاق" مؤلفہ ذوالفقار علی مست اور ڈاکٹر اسپرنگر کے بیانات سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں، علاوہ ازیں حیدری کی تصانیف کے دیباچوں میں بھی جزوی طور پر خود نوشت کی شان پائی جاتی ہے۔

رہا سوال معاصر تذکرہ نویسوں کا تو مؤلف کا یہ شکوہ نواب علی ابراھیم خاں خلیل (م ۱۲۰۸ ھ) اور مرزا علی لطف (م ۱۲۳۳ ھ) وغیرہ کی حد تک یعنی جزوی طور پر تو صادق آتا ہے لیکن چوں کہ "دیوان جہاں"، "طبقات الشعرائے ھند" اور "سخن شعرا" میں حیدری کا ذکر موجود ہے اس لیے مؤلف کے اس بیان کو کلی طور پر درست نہیں مانا جا سکتا۔

● صفحہ ۶۸، حیدری کی تالیفات کے ذیل میں مؤلف رقم طراز ہیں کہ:

> "ان کی دس ۱۰، گیارہ ۱۱ کتابوں کا پتا چلتا ہے، ان میں سے جو کتابیں ہمیں دستیاب ہوئی ہیں ان کی تعداد صرف تین ہے۔"

جب کہ اس معاملے میں حیدری کے تذکرہ نویسوں کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً سید وقار عظیم [۱] نے اس موقعے پر جو فہرست دی ہے اس میں حیدری کی کل ۱۰ تصانیف کی تفصیل ہے اور اس فہرست کو سید وقار عظیم نے "مکمل" قرار دیا ہے۔

۱۔ پروفیسر سید وقار عظیم: "فورٹ ولیم کالج تحریک و تاریخ"، ص ۵۹ تا ۶۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر عبادت بریلوی ۱ نے اس سلسلے میں کل ۱۱ کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں "جامع القوانین" بھی شامل ہے جس کا انہیں سراغ نہیں مل سکا۔ اور ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو ۲ جنھوں نے "گلشن ہند" کا سراغ لگا کر اپنے عالمانہ مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے، اسی مقدمے میں انھوں نے حیدری کی بارہ تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

● اسی صفحے پر مؤلف مزید رقم طراز ہیں کہ "حیدری نظم و نثر دونوں پر قدرت بلیغ رکھتے تھے، اگرچہ ان کا کلام کلیات یا دیوان کی صورت میں شائع نہیں ہوا ہے" (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۶۸) مؤلف کا یہ بیان اس وقت کی معلومات کے مطابق درست ہے لیکن چونکہ ڈاکٹر عبادت بریلوی کو قیام لندن کے دوران حیدری کے دیوان کے دو نسخے دستیاب ہوئے جن کی بنیاد پر انھوں نے حیدری کا کلام مرتب کرکے اپنے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ شائع کردیا ہے ۳ اس لیے مؤلف کا یہ بیان خارج از بحث ہے۔

● اس کے بعد صفحہ ۷۰، پر مؤلف نے "قصۂ لیلیٰ مجنوں" کا سنہ تکمیل ۱۲۱۳ھ لکھا ہے، جب کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ۴ اور ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو ۵ نے اس موقعے پر ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء لکھا ہے۔

۱۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "دیوان حیدری"، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، اورینٹل کالج میگزین، شمارۂ مسلسل ۱۶۸، جلد ۴۳، شمارہ ۱ بابت فروری ۱۹۶۷ء، ص ۲۸ تا ۵۹۔

۲۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "گلشن ہند"، ص ۱۶-۱۹۔

۳۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "دیوانِ حیدری"، ص ۳۱۔

۴۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "تذکرۂ حیدری (گلشن ہند)"، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، کراچی، اردو دنیا، ۱۹۶۸ء، ص ۲۹۔

۵۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "گلشن ہند"، ص ۱۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● صفحہ ۷۳، مؤلف لکھتے ہیں کہ "ڈنکن فاربس نے ۱۸۵۳ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ لندن سے ایک خوش نما ایڈیشن شائع کیا تھا" جب کہ ڈنکن فاربس نے "طوطا کہانی" کا مذکورہ ایڈیشن ۱۸۲۵ء میں شائع کیا تھا ۔۱

● ۷۴، "طوطی نامہ" از نخشبی کے دکھنی تراجم (منظوم) کے سلسلے میں مؤلف نے ملا غواصی کے ساتھ ساتھ ابن نشاطی سے بھی ایک منظوم ترجمہ منسوب کیا ہے اور اس کا سنہ تکمیل ۱۰۷۶ھ بتایا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنے تحقیقی مقالے میں اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ "یہ تو اب مان ہی لیا گیا ہے کہ ابن نشاطی نے کوئی مثنوی 'طوطی نامہ' نہیں لکھی ۔ ۲

● صفحہ ۷۵، "آرایش محفل" کے ذکر میں مؤلف رقم طراز ہیں کہ "اس کو حیدری نے اوائل ۱۲۱۶ھ م ۱۸۰۲ء میں ... اردو کا جامہ پہنایا" یہ ایک ایسی غلط فہمی ہے جس کا آغاز مؤلف نے کیا اور ان کے تتبع میں حامد حسن قادری ۳ نے بھی یہی غلطی دہرائی ہے ۔ جب کہ خود حیدری ۴ نے "آرایش محفل" کے دیباچے میں "سن بارہ سو سولہ ہجری اور اٹھارہ سو ایک کے موافق" لکھ کر اس سلسلے کے ہر ابہام کو پہلے ہی ختم کردیا تھا پھر نہ جانے مؤلف نے اس عبارت کی موجودی میں ۱۸۰۲ء کہاں سے

۱۔ سید حیدر بخش دہلوی: "گلشن ہند"، ص ۱۶۔

۲۔ ڈاکٹر گیان چند جین: "اردو کی نثری داستانیں"، طبع دوم، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۶۹ء، ص ۳۱۷۔

۳۔ حامد حسن قادری: "داستان تاریخ اردو"، ص ۹۹۔

۴۔ حیدر بخش حیدری: "آرائش محفل"، ڈاکٹر محمد اسلم قریشی، طبع اول، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۶۴ء، ص ۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کیسے دریافت کرلیا ۔ جبکہ مؤلف اور حامد حسن قادری کے علاوہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ۱، ڈاکٹر گیان چند جین ۲، محمد یحییٰ تنہا ۳، اور ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو ۴، سبھی نے اس عبارت سے ۱۸۰۱ء مراد لیا اور اسی کو درست قرار دیا ہے۔

● صفحہ ۹۷، حیدری کی "تاریخ نادری" کا سنہ اتمام ۱۳۲۴ھ درج کیا ہے۔ جبکہ حیدری نے یہ ترجمہ ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں تمام کیا ۵، یہ سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔

● صفحہ ۸۳، حیدری کی "گلزار دانش" کے بارے میں مؤلف کا بیان ہے کہ:

> "ہم کو اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا، اور نہ ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ حیدری نے یہ ترجمہ کس سنہ میں تمام کیا ... جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ طبع نہیں ہوا ... یورپ کے مشہور مشرقی کتب خانے بھی اس سے خالی ہیں۔"

یہ صورت حال ایک عرصے تک درست مانی جاتی رہی، لیکن اب ڈاکٹر عبادت بریلوی "دیوان حیدری" مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۶۷ء کے مقدمے میں اطلاع دیتے ہیں کہ:

۱۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "دیوان حیدری"، ص ۳۰۔
۲۔ ڈاکٹر گیان چند جین: "اردو کی نثری داستانیں"، ص ۲۰۳۔
۳۔ محمد یحییٰ تنہا: "سیرالمصنفین"، (جلد اول)، ص ۵۷۔
۴۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "گلشن ہند"، ص ۱۶۔
۵۔ ایضاً، ص ۱۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"انگلستان کے دوران قیام میں مجھے حیدری کی 'گلزار دانش' کا قلمی نسخہ ملا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور ۵۲۸ صفحات پر مشتمل ہے... حیدری اس کے دیباچے میں حمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں '... سنہ بارہ سو اٹھارہ ہجری مطابق اٹھارہ سو چار عیسوی کے ... موافق اپنی طبع کے زبان ریختہ میں ترجمہ کیا"۔۱

● صفحہ ۸۴، "گلدستۂ حیدری" کے بارے میں مؤلف کا بیان ہے کہ "یہ گلدستہ بھی زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکا" مؤلف کی یہ اطلاع کتاب کے زمانۂ تصنیف کے لحاظ سے ہے جبکہ معلومات بہم نہیں تھیں، موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اس گلدستے میں شامل حیدری کا دیوان ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اپنے مفصل مقدمے کے ساتھ شائع کردیا ہے اور رہا سوال تذکرے کا تو حیدری کا یہ تذکرہ اولاً ڈاکٹر مختارالدین آرزو کے پراز معلومات مقدمے کے ساتھ علمی مجلس، دلی سے ۱۹۶۷ء میں، اور اردو دنیا کراچی سے ۱۹۶۸ء ڈاکٹر عبادت بریلوی مفصل کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوچکا ہے۔

● صفحہ ۹۱، میر شیر علی افسوس کے باب میں مؤلف رقم طراز ہیں کہ "ان کا سن [صحیح سنہ] ولادت معلوم نہیں مگر ان کی پیدائش ۱۷۳۵ء سے دو تین سال قبل کی ہوگی" افسوس کی ولادت کے سلسلے میں کلب علی خاں فائق کا بیان ہے کہ "افسوس محمد شاہ کے آخر عہد حکومت ۱۱۶۰ھ یا [صحیح مطابق] ۱۷۴۷ء میں پیدا ہوا"۲ اور ڈاکٹر عبیدہ بیگم کے بقول "افسوس ۱۷۴۶ء کے

۱- سید حیدربخش حیدری دہلوی: "دیوان حیدری"، ص ۴۴ - ۴۵۔

۲- میر شیرعلی افسوس: "آرائش محفل"، مرتبہ کلب علی خاں فائق، طبع اوّل، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء، ص ۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اواخر یا ۱۷۳۷ء کے اوائل میں دھلی میں پیدا ہوئے" ۱ جب کہ ڈاکٹر جاوید نہال کا بیان ہے :

"کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہونے کے باعث ۱۷۳۶ء کو ہی سنہ پیدائش سان لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ انڈیا آفس لائبریری کے ہندوستانی مخطوطات کی فہرست میں بھی افسوس کا سنہ پیدائش ۱۷۳۶ء درج ہے"۔ ۲

جب کہ ڈاکٹر وحید قریشی طویل اور مدلل بحث کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "افسوس کی پیدائش ۱۱۵۸ھ یا ۱۱۵۹ھ کے قریب فرض کرنی پڑے گی۔" ۳

● اسی صفحے پر مؤلف مزید رقم طراز ہیں کہ "نواب عمدۃالملک کی وفات ..." اور صفحہ ۹۲، پر اسی بات کو یوں دھراتے ہیں "عمدۃالملک نے ۱۷۴۷ء میں انتقال کیا" جس سے یہ مرادلی جاسکتی ہے کہ نواب عمدۃالملک اپنی طبعی موت مرے، جب کہ کلب علی خاں فائق "آرائش محفل" کے مقدمے میں رقم‌طراز ہیں کہ:

"عمدۃ الملک کا عروج حد سے تجاوز کرگیا تھا اس لیے محمد شاہ کے ایماء سے ۲۳ ذی حجہ ۱۱۵۹ھ کو دیوان خاص میں اسے قتل کر دیا گیا"۴

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۱۱۱۔

۲۔ ڈاکٹر جاوید نہال: "بنگال کا اردو ادب"، طبع دوم، کلکتہ، عثمانیہ بک ڈپو، ۱۹۸۴ء، ص ۸۵۔

۳۔ ڈاکٹر وحید قریشی: "میر شیر علی افسوس"، سہ‌ماہی صحیفہ، لاھور، بائیسواں شمارہ، بابت جنوری ۱۹۶۳ء، ص ۶۹۔

۴۔ میر شیر علی افسوس: "آرائش محفل"، مرتبہ کلب علی خاں فائق، ص ۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● اسی صفحے پر افسوس کے چچا سید غلام علی خاں کے بارے میں اطلاع ہے کہ وہ "اپنی کارکردگی و معاملہ فہمی کی بدولت بہت جلد صاحب اقتدار ہوگئے اور جب ۱۷۴۶ء میں عمدۃ الملک نے وفات پائی [صحیح: قتل ہوئے] تو وہی منصرمانہ طور پر صوبہ الہ آباد کے نائب بنائے گئے"۔

ہر چند مؤلف کے مذکورہ بیان کی بنیاد خود افسوس کے قول پر ہے، لیکن کلب علی خاں فائق کے مطابق "دیگر تاریخی کتابوں سے اس کی تائید نہ ہو سکی۔ بہرحال [وہ] الہ آباد میں اہم خدمت پر مامور ہوئے ہوں گے۔"۱

● صفحہ ۹۲، مؤلف لکھتے ہیں "ادھر محمد شاہ کی سلطنت درہم برہم ہوئی اور عمدۃ الملک نے بھی وفات پائی" جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محمد شاہ کی حکومت عمدۃ الملک (م: ۲۳ ذی حجہ ۱۱۵۹ھ/۲۶ دسمبر ۱۷۴۶ء) کے قتل کے کم و بیش ایک سال بعد یعنی ۱۷۴۸ء میں برہم ہوئی، اس لحاظ سے انھیں عمدۃ الملک انجام کا ذکر حکومت محمد شاہ کے خاتمے سے پہلے کرنا چاہیے تھا۔

● اسی صفحے پر مزید رقم طراز ہیں:

"علی مظفر خاں ترک ملازمت کر کے چند سال خانہ نشین رہے، اس کے بعد قاسم علی خاں نواب بنگالہ کے پایۂ تخت پٹنہ کا رخ کیا اور یہاں پہنچ کر اس کے ہاں ملازم اور توپ خانہ کے داروغہ مقرر ہوئے . . .
علی مظفر خاں حاکم بنگالہ کی معزولی کے بعد پٹنہ سے نکل کر نواب خان عالم بناء اللہ خاں کی وساطت سے نواب

۱۔ ایضاً، ص ۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شجاع الدولہ ... کی سرکار میں تین سو روپے کے ملازم ہوئے"۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ کہ افسوس کے والد علی مظفر خاں کی خانہ نشینی کی مدت چند سال نہیں بلکہ ۱۲ سال ہے ۔۱ اور دوسری بات یہ کہ :

"اگر مظفر علی خاں کو تین سو روپے اودھ میں ملنے لگے تھے تو پھر کیوں حیدرآباد دکن کے سفر کا ارادہ کیا؟ شجاع الدولہ اپنے دشمن کے ملازم کو اپنی ملازمت کی اجازت کس طرح دیتا، صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اودھ میں جب اس کی بات نہ پوچھی گئی تو مدت بعد وہ حیدرآباد دکن چلا گیا" ۲

● صفحہ ۹۳، نواب شجاع الدولہ والیٔ اودھ کا دور حکومت (۱۷۵۶ء تا ۱۷۷۵ء) بتایا گیا ہے۔ جب کہ اس کا دور حکومت ۱۱۶۷ھ- ۱۷۵۳ء تا ۱۱۸۸ھ- ۱۷۷۵ء ہے ۔۳

● اسی صفحے پر افسوس کے نواب سالار جنگ سے توسل کے متعلق مؤلف رقم طراز ہیں کہ ان کے بیٹے میر نوازش علی خاں المخاطب بہ سرفراز جنگ کی اتالیقی ان کے سپرد تھی" جب کہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم کے بقول "دس برس ۱۱۸۹ھ- ۱۷۷۵ تا ۱۱۹۸ھ- ۱۷۸۳ء تک وہ نواب سالار جنگ کے بڑے بیٹے مرزا نوازش علی خاں کے مصاحب رہے" ۴

۱۔ میر شیر علی افسوس : "آرائش محفل"، مقدمہ از کلب علی خاں فائق ص ۹۔

۲۔ ایضاً، ص ۲۲۔

۳۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی : "لکھنؤ کا دبستان شاعری"، ص ۱۷۔

۴۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم : "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۱۱۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● اس سے پہلے اس صفحے پر مؤلف کا بیان ہے کہ:
"افسوس اپنے والد کے لکھنؤ آنے سے دو سال قبل ہی لکھنؤ میں نواب شجاع الدولہ کے بھتیجے نواب سالار جنگ کے ہاں ملازم ہو چکے تھے" (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۹۳ -)

جب کہ افسوس ۱۷۶۳ء میں لکھنؤ آئے اور پھر لکھنؤ سے فیض آباد چلے گئے جہاں انہوں نے ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء میں نواب سالار جنگ کا توسل اختیار کیا اور جب آصف الدولہ نے ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء میں لکھنؤ کو پایۂ تخت بنایا تو افسوس بھی سالار جنگ کے ہمراہ لکھنؤ چلے آئے - ۱

● مؤلف مزید لکھتے ہیں "ان دنوں مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ . . . لکھنؤ میں رونق افروز تھے" (ارباب نثر اردو دوم، ص ۹۳) واضح رہے "ان دنوں" سے مؤلف کی مراد وہ دن ہیں جب کہ افسوس اپنے والد کے آنے سے دو سال قبل لکھنؤ آئے اور وہیں انہوں نے سالار جنگ کا توسل اختیار کیا اور سالار جنگ کا انتقال ہوا اور افسوس کی ملاقات مرزا جہاں دار شاہ سے ہوئی - گویا یہ سب واقعات ایک ہی مقام پر اور ایک ہی وقت میں پیش آئے ہوں - جب کہ صورت حال اس سے مختلف ہے - اس اختلاف کی تفصیل پہلے ہی پیش کی جا چکی ہے - یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں دار شاہ مئی ۱۷۸۴ء میں لکھنؤ آئے نہ کہ ان دنوں جب ۱۷۷۵ء میں افسوس نے سالار جنگ کا توسل اختیار کیا -

● صفحہ ۹۴، "حسن رضا خاں نے اکتوبر ۱۸۰۱ء میں کرنل اسکاٹ سے افسوس کا تعارف کرایا" جب کہ خود افسوس نے "آرائش

۱- ایضاً، ص ۱۱۲-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محفل" ۱ کے دیباچے میں "اپنی رسائی کمپنی کے افسران تک فخرالدین احمد خان کے ذریعے ظاہر کی ہے" ۲ اس کے علاوہ کالج میں افسوس کی تقرری کی تاریخ مؤلف نے اکتوبر ۱۸۰۱ء قرار دی ہے، جو کہ غلط ہے، ہرچند خود افسوس نے "باغ اردو" کے آغاز میں کالج میں اپنے تقرر کی تاریخ "روز جمعہ کہ وہی سترھویں ماہ اکتوبر کی تھی سن ھجری بارہ سو پندرہ تھے اور سنہ عیسوی اٹھارہ سو ایک" ۳ لکھی ہے اور مؤلف کی اطلاع کا ماخذ بھی شاید یہی ہے، مگر بقول ڈاکٹر عبیدہ بیگم:

> "یہاں ان سے سہو ہوا ہے: تقویم کے مطابق ۱۲۱۵ھ ۲۵ مئی ۱۸۰۰ء سے شروع ہوکر ۳۱ مئی ۱۸۰۱ء کو ختم ہو جاتی ہے، اس لیے افسوس کے تقرر کی تاریخ ۱۷ اکتوبر ۱۸۰۱ء نہیں بلکہ ۱۷ اکتوبر ۱۸۰۰ء قرار پاتی ہے" ۴

صفحہ ۹۶، "دیوان افسوس" کی ترتیب بہ قول مؤلف نواب سالار جنگ کی سرپرستی میں ہوئی۔ جب کہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۵ کے مطابق "افسوس نے سالار جنگ کے بیٹے مرزا نوازش علی خان کے ایام مصاحبت (۱۱۸۹ھ-۱۷۷۵ء تا ۱۱۹۹ھ-۱۷۸۴ء) میں ھی اپنا دیوان مرتب کرلیا تھا" (بحوالہ دیباچہ "باغ اردو")

۱- میر شیر علی افسوس: "آرائش محفل"، ص ۵۔
۲- ایضاً، ص ۲۹۔
۳- میر شیر علی افسوس: "باغ اردو"، مقدمہ از کلب علی خان فائق، طبع اوّل، لاھور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء، ص ۲۲۔
۴- ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۱۱۱،
۵- ایضاً، ص ۵۸۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● صفحہ ۱۰۰، "باغ اردو" کی تاریخ تکمیل کے سلسلے میں مؤلف نے افسوس کا جو قطعہ تاریخ نقل کیا ہے اس میں آخری مصرعہ، جس سے تاریخ نکلتی ہے یوں درج کیا ہے "کہ آغاز اردو ہے باغ اردو" جب کہ "باغ اردو" مرتبہ کاب علی خان فائق مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور کے مطابق یہ مصرعہ یوں ہے "ہے از آغاز اردی باغ اردو" ۱

● صفحہ ۱۰۱، اسی کتاب کے سلسلے میں مؤلف مزید رقم طراز ہیں کہ "افسوس کی یہ گراں قدر کتاب آج کل بالکل کم یاب ہے 'سیر المصنفین' کے مؤلف کو باوجود تلاش وسعی بلیغ کے ایک نسخہ بھی حاصل نہ ہوسکا" مؤلف کی یہ اطلاع اس وقت کی معلومات کی حد تک درست ہے، لیکن چوں کہ مجلس ترقی ادب لاہور سے یہ کتاب کلب علی خاں فائق کے تفصیلی مقدمے کے ساتھ دسمبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس لیے مؤلف کا یہ بیان نظرثانی کا محتاج ہے۔

● صفحہ ۱۰۷، مؤلف نے "خلاصۃ التواریخ" کے چند ماخذ کا ذکر کیا ہے، جن میں سے بعض کے مصنفین کے ناموں کی صراحت کی ہے، اگر بقیہ کے مصنفین کی صراحت بھی ہوتی تو بہتر ہوتا۔

● صفحہ ۱۱۰، پر میر بہادر علی حسینی کے والد کا نام مؤلف نے سید عبداللہ کاظم لکھا ہے اور انھیں وہی شخص قرار دیا ہے جس کی سعی سے شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمۂ قرآن شریف دہلی سے شائع ہوا۔ جب کہ صحیح صورت حال ڈاکٹر نجم الاسلام کے مطابق یوں ہے:

۱- میر شیر علی افسوس: "باغ اردو"، ص ۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میر بہادر علی حسینی میر منشی فورٹ ولیم کالج کے بیٹے سید عبداللہ نے مطبع احمدی کے نام سے سیرام پور میں ایک مطبع قائم کر لیا تھا، سید احمد شہید کے سفر حج کے موقعے پر انھوں نے سید صاحب کے ایماء سے موضح قرآن کی نقل مکہ معظمہ میں حاصل کی ... سفر حج سے واپسی پر مولانا محمد اسحاق اور مولوی حسن علی لکھنوی کے ایماء اور استصلاح سے سید عبداللہ حسینی نے اس کی طباعت پر کمر ہمت باندھی"۔۱

● صفحات ۱۰ و ۱۱۱، مؤلف نے میر بہادر علی حسینی کو دھلی کا باشندہ قرار دیا ہے۔ اس کی تردید ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۲ نے نیر اقبال کے مضمون "کچھ رسالہ گل کرسٹ کے بارے میں" (مطبوعہ ہفتہ وار ہماری زبان شمارہ ۲۷، بابت ۱۵ جولائی ۷۳ء ص ۴) کے حوالے سے کی ہے اور انھیں بدایوں کا باشندہ قرار دیا ہے۔

مؤلف اس باب میں خاموش ہیں کہ حسینی فورٹ ولیم کالج سے کب وابستہ ہوئے، یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالات کے جواب اس کتاب کی تدوین کے وقت دستیاب نہیں تھے، لیکن اب یہ صورت حال نہیں ہے کیوں کہ اب اس سلسلے کا بہت سا مواد منظر عام پر آچکا ہے اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کالج میں حسینی کا تقرر "۴ مئی ۱۸۰۱ء" ۳ کو ہوا۔

۱۔ ڈاکٹر نجم الاسلام: "دبستان دھلی کی نثر"، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء، ص ۳۵-۳۶۔

۲۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۷۸۔

۳۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۱۰۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بہادر علی حسینی نے ۱۸۰۲ء م ۱۲۱۷ھ میں ڈاکٹر گل کرسٹ کے فرمانے سے 'مفرح القلوب' کو سلیس رواجی ریختہ میں ترجمہ کرکے 'اخلاق ہندی' کے نام سے موسوم کیا" (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۱۱۷)

ہر چند کہ مؤلف کے قول کی بنیاد خود حسینی ۱ کے بیان پر ہے لیکن ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۲ نے "اخلاق ہندی" کے ایک قلمی نسخے مخزونہ ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ کے حوالے سے اس کا سنہ تکمیل ۱۸۰۱ء درست قرار دیا ہے۔

ص ۱۲۲، "تاریخ آسام" کے سلسلے میں مؤلف رقمطراز ہیں کہ "یہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے جنرل میر جملہ کی مہم آسام کی تفصیلی تاریخ ہے جو ۱۶۶۶ء میں فتح یاب ہوئی" جب کہ ڈاکٹر وحید قریشی کے بقول:

"اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں جب میر محمد سعید اردستانی خان خانان المشہور بہ میر جملہ نے کوچ بہار اور آسام کے علاقے کی طرف ... پیش قدمی کی (۱۰۷۲ھ اور ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۱ء ۱۶۶۲ء اور ۱۶۶۲ء-۱۶۶۳ء) تو ... ان مہمات کا حال ... فتح عبریہ (یا عبرتیہ) کے نام سے قلمبند کیا ہے ... مقدمے کے بعد دو مقالے ہیں: ایک بھیم نرائن کی شکست اور کوچ بہار کی فتح پر، دوسرا آسام کی فتح سے میر جملہ

۱- میر بہادر علی حسینی: "اخلاق ہندی"، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء، ص ۲۔

۲- ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" ص ۴۷۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے انتقال (۲، رمضان ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ء) تک کو حاوی ہے"۔ ۱

مذکورہ عبارت سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہم ۱۶۶۳ء میں جب میر جملہ نے انتقال کیا یقیناً ختم ہوگئی ہوگی۔ اس صورت میں مؤلف کا بیان کردہ سنہ نظرثانی کا محتاج ہوجاتا ہے، اس بات کو ڈاکٹر عبیدہ بیگم کے اس بیان سے بھی تقویت ملتی ہے کہ "طاش نے یہ تاریخ ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ء میں مکمل کرلی تھی"۔ ۲ اس کے علاوہ مہم کے ساتھ "فتح یاب ہوئی" کے الفاظ بھی کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑتے۔

● صفحہ ۱۲۳، "گل کرسٹ نے... ایک بسیط کتاب ہندوستانی کی صرف ونحو' کے نام سے ۱۷۹۶ء میں مرتب کی تھی" جب کہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۳ اور ڈاکٹر وحید قریشی ۴، ۱۷۹۶ء کو "رسالہ گل کرسٹ" یا "قواعد زبان اردو" کا سال طباعت قرار دیتے ہیں۔

اس رسالے کا جو خلاصہ میر بہادر علی حسینی نے تیار کیا تھا اس کے بارے میں مؤلف خیال ہے کہ "یہ رسالہ ۱۸۱۶ء میں کلکتہ سے شائع ہوا" (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۱۲۳ و ۱۲۴) لیکن اس سلسلے میں انھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ اس کتاب کو کہاں دیکھا جب کہ ڈاکٹر وحید قریشی ۵ اور ڈاکٹر عبیدہ بیگم

۱- میر بہادر علی حسینی : "اخلاق ہندی"، ص ۳۱-

۲- ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۵۴۸-

۳- ایضاً، ص ۶۰۷-

۴- میر بہادر علی حسینی : "اخلاق ہندی"، ص ۳۵-

۵- ایضاً، ص ۳۵-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رقم طراز ہیں کہ "رسالہ گل کرسٹ ۱۸۲۰ء میں پہلی بار کلکتہ سے شائع ہوا" ۱

● صفحہ ۱۲۶، مرزا علی لطف کے باب میں ان کا بیان ہے کہ :

"جس زمانے میں انھوں نے تلاش معاش میں دہلی کو خیر باد کہا اور سفر کا ارادہ کیا۔ لکھنؤ میں کچھ زیادہ قدر افزائی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اس لیے انھوں نے حیدرآباد جانے کا تہیہ کیا"

یہاں مؤلف کے بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ لطف کو لکھنؤ میں خاطر خواہ پذیرائی کی توقع نہ تھی اس لیے انھوں نے دہلی سے براہ راست حیدرآباد (دکن) جانے کا ارادہ کیا۔ جب کہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ لطف نہ صرف لکھنؤ گئے بلکہ نواب آصف الدولہ کی وفات ۱۲۱۲ھ/ ۹۸-۱۷۹۷ء کے کچھ بعد تک وہاں رہے بھی۔ جیسا کہ چند سطور کے بعد خود مؤلف بھی رقم طراز ہیں کہ "لطف نے لکھنؤ کی صحبتیں بھی دیکھی ہیں مگر وہاں غالباً ان کی ایسی قدردانی نہیں ہوئی جیسی وہ چاہتے تھے" (ارباب نثر اردو، طبع دوم، ص ۱۲۹) ان کا یہ بیان بھی بعید از قیاس ہے ؛ لکھنؤ میں لطف نے کتنا عرصہ قیام کیا اور وہاں ان کی معاشی حالت کیا تھی میں اس کے بارے مرزا اکبر علی بیگ کا مقالہ برائے پی ایچ ڈی "مرزا علی لطف۔ حیات اور کارنامے" خاصی معلومات فراہم کرتا ہے۔

● صفحہ ۱۳۵، پر لکھتے ہیں کہ "ارسطو جاہ بہادر ۱۷۹۷ء میں مدار المہام ہوئے" جبکہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۲، کے مطابق ارسطو جاہ ۱۲۰۰ھ میں برسر اقتدار آئے اور مرزا اکبر علی بیگ کے مطابق

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم : "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ۶۱۱۔

۲۔ ایضاً، ص ۲۰۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"۱۷۸۱ء میں ان کو مدار المہام (وزیرِ اعظم) کی خدمت عطا کی" ۱

● صفحہ ۱۳۶، لطف کے انتقال کے بارے میں مؤلف رقم طراز ہیں "لطف نے ۱۲۳۸ھ م ۱۸۲۲ء میں وفات پائی"۔ لطف کے سال وفات کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف لوگوں نے مختلف سنہ لکھا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر فرمان فتح پوری ۲ کے مطابق ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء ہے، ڈاکٹر جاوید نہال ۳ اور ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۴ کے بقول ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء جب کہ مرزا اکبر علی بیگ ۵ نے مختلف شہادتوں کے تجزیے کے بعد ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء کو درست تسلیم کیا ہے۔

● صفحہ ۱۴۳، مؤلف "گل زار ابراہیم" علی ابراہیم خاں خلیل کا سالِ وفات مؤلف نے ۱۲۱۸ھ بتایا ہے جب کہ مخطوطات انجمن ترقیٔ اردو، کراچی پاکستان کے مرتبین نے جرأت کے مصرعے

۱۔ ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ: "مرزا علی لطف۔ حیات اور کارنامے"، طبع اوّل، حیدرآباد (دکن)، ادارۂ شعر و حکمت ۱۹۷۹ء، ص ۳۵۔

۲۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری: "اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری"، طبع اوّل، لاہور مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۷۲ء، ص ۲۱۰۔

۳۔ ڈاکٹر جاوید نہال: "بنگال کا اردو ادب، انیسویں صدی میں"، ص ۲۰۱۔

۴۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" ص ۱۔

۵۔ ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ: "مرزا علی لطف۔ حیات اور کارنامے"، ص ۸۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ۱۲۰۵ھ، ۱ برآمد کر کے درست تسلیم کیا ہے۔ اور ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو نے "۱۲۰۸ھ" ۲ لکھا ہے۔

● صفحہ ۱۵۳، مولوی امانت اللہ کے بارے میں مؤلف کا تأثر یہ ہے کہ ان کے سوانحی کوائف کہیں دستیاب نہیں ہیں، دو اقتباسات ملاحظہ ہوں :

> "ان کے حالات اور تاریخ پیدائش و وفات وغیرہ باوجود کوشش کے حاصل نہ ہو سکے۔ کسی صاحب تذکرہ نے ان کا ذکر نہیں کیا"۔
>
> "افسوس ہے کہ ایسے باکمال شخص کے ذکر سے ہمارا سرمایۂ تذکرہ و تاریخ خالی ہے اور اب تک کسی مصنف نے ان کا حال بیان نہیں کیا"۔

جب کہ "طبقات الشعرائے ہند" از کریم الدین احمد، "نسخہ دلکشا" از راجہ جنم جئے متر ارسان اور "دیوان جہاں" از بینی نرائن جہاں میں ان کا ذکر نامکمل ہی سہی لیکن موجود ہے۔ اس صورت میں صرف تشنگی کی شکایت کی گنجائش ہے۔

● صفحہ ۱۵۴، مولوی امانت اللہ کی پہلی تصنیف "ہدایت الاسلام" کے ساتھ "عربی" لکھا ہے اور اگلے صفحے پر اس کتاب کی ضروری تفصیل کے ساتھ نمونے کی عبارت اردو میں درج کی ہے اور قاری کی رہنمائی کے لیے کوئی صراحت بھی نہیں کی۔

● صفحہ ۱۷۳، پر ولا کا ایک شعر "ارباب نثر اردو" کے نسخوں میں سہو کتابت کا شکار چلا آتا ہے اور اب تک اس کا پہلا

۱۔ مخطوطات انجمن ترقیٔ اردو"، (اردو)، جلد اول، مرتبہ افسر صدیقی امروہوی و سید سرفراز علی رضوی، طبع اوّل، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۱۹۶۵ء، ص ۱۲۱۔

۲۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی : گلشن ہند"، ص ۱۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصرعہ یوں نقل ہوتا رہا ہے "یوسف کا نقشہ در و دیوار پہ کھینچا" اس طرح مصرعہ ناموزوں ہے اسے یوں ہونا چاہیے "یوسف کا جو نقشہ در و دیوار پہ کھینچا"۔ ۱

● بعد ازیں مؤلف کا بیان ہے کہ "فورٹ ولیم کے کالج کے افتتاح کے ساتھ ہی وہ بھی اس میں ملازم ہوگئے" مؤلف کا یہ بیان مبہم اور ناکافی ہے، بہتر ہوتا اگر اس موقعے پر تاریخ کی صراحت ہوتی۔

● اسی صفحے پر "دیوان جہاں" کا سال تالیف ۱۸۱۳ء م ۱۲۲۷ھ درج ہے، مؤلف نے اسی غلطی کو کئی جگہ دہرایا ہے مثلاً ص ۹، ۱۷ اور ۵۵۔ جبکہ ڈاکٹر عندلیب شادانی نے "دیوان جہاں" کے ایک نسخے کے حوالے سے جو کبھی فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی ملکیت تھا اور اب ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے، رقم طراز ہیں "صاف ظاہر ہے کہ کتاب ۱۸۱۲ء میں تکمیل کو پہنچی" ۲

● اسی صفحے پر مؤلف نے شیفتہ اور جہاں کے تذکروں کی مدد سے، جن میں صرف ایک ایک شعر دستیاب ہے، حیدری کے دو شعر نقل کیے ہیں اور صراحت کی ہے کہ دیوان مفقود ہے اور کسی دوسرے تذکرے میں کلام نہیں ملتا، حالانکہ حیدری نے اپنے تذکرے "گلشن ہند" ۳ میں ولا کی ایک فارسی غزل کے دو شعر اور دو

۱۔ محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ: "گلشن بے خار"، مرتبہ کلب علی خاں فائق، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء، ص ۲۳۸۔

۲۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی: "تحقیق کی روشنی میں"، طبع اول، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۳ء، ص ۲۶۳۔

۳۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "گلشن ہند"، ص ۹۸، ۹۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اردو غزلوں کے بالترتیب چار اور آٹھ اشعار درج کیے ہیں۔ اور یہ تذکرہ ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو کے مقدمے کے ساتھ شائع بھی ہو چکا ہے۔

● صفحہ ۱۲۳ پر قصہ "مادھونل اور کام کندلا" کا سال تالیف ۱۲۱۵ھ اور ۱۸۰۲ء درج کیا گیا ہے، حالانکہ ان دونوں سنین میں مطابقت نہیں ہے۔ سب سے اہم یہ کہ قصے کے اختتام پر ولا نے تاریخ تالیف یوں درج کی ہے:

"الحمداللہ کہ یہ رنگین دلچسپ داستان تاریخ دسویں ذیقعدہ سنہ بارہ سو پندرہ ہجری مطابق اٹھارہ سو ایک عیسوی میں مع دو تاریخ ہجری و عیسوی کے تمام ہوئی"۱

اس آخری فقرے سے مراد یہ ہے کہ ولا نے ہجری اور عیسوی تاریخوں کے قطعات بھی درج کیے ہیں جن سے بالترتیب یہ سنہ نکلتے ہیں "کبھی من لگن سب کتھا عشق کی" ۱۲۱۳ + ۲ = ۱۲۱۵ھ اور "فسانہ ہے یکسر عجیب و غریب" ۱۸۰۴-۳ = ۱۸۰۱ء مزید یہ کہ (۱۰ ذیقعدہ) ۱۲۱۵ھ کی مطابقت "تقویم ہاشمی" کے مطابق ۱۸۰۱ء سے ہوتی ہے، اور یہی تاریخ اختتام تالیف ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے اس قصے کے اصل ماخذ کے سلسلے میں ولا کے بیان کو دہراتے ہوئے، اسکی اصل موتی رام کبیشور کی تصنیف کو قرار دیا ہے۔ جبکہ ڈاکٹر پرکاش مونس کے مطابق:

"ہندی ادب کی کسی تاریخ یا ہندی شاعروں کے کسی تذکرے میں بھی ابھی تک ہماری نظر سے 'مادھونل کام کندلا' کے کسی موتی رام نامی مصنف، مؤلف یا

۱۔ ڈاکٹر پرکاش مونس: "اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر"، طبع اول، الہ آباد، شاہین پبلی کیشنز، ۱۹۷۸ء، ص ۳۸۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مترجم کا نام نہیں گذرا، اردو میں موتی رام کی روایت محض مظہر علی ولا کے دیباچے میں دیے ہوئے بیان پر قائم ہے ورنہ اس باب میں یہاں بھی مکمل خاموشی ہے۔ اس طرح ولا کے اس بیان کی کہ کسی موتی رام کبیشور (کبیشر) نے 'مادھونل کام کندلا' نام کی کوئی کتاب لکھی، کوئی تائیدی شہادت موجود نہیں ہے"۔۱

آگے چل کر اپنی تمام بحث کے خلاصے میں ڈاکٹر پرکاش مونس مزید رقم طراز ہیں کہ "ولا کی مادھونل اور کام کندلا، عالم کی ۹۹۱ھ/ ۱۵۸۳ء میں مصنفہ اسی نام کی اودھی کتاب کا ترجمہ ہے، موتی رام کبیشور کی برج زبان میں لکھی ہوئی کتاب کا نہیں اور نہ موتی رام نے 'مادھونل اور کام کندلا' نامی کوئی کتاب لکھی" ۲ نیز مؤلف نے اس ضمن میں للولال جی کوی کی شراکت کا ذکر نہیں کیا۔

● صفحہ ۱۷۸، پر "تاریخ شیر شاہی" کے ترجمے کی تاریخ ۵ جمادی الاول ۱۲۳۰ھ/۲ اگست ۱۸۲۰ء درج ہے۔ اول تو یہ کہ یہ ترجمہ ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں مکمل ہوا، اور دوم یہ کہ ۱۲۳۰ھ کی مطابقت ۱۸۱۴-۱۵ء سے ہے ۱۸۲۰ء سے نہیں۔

● صفحہ ۱۸۳، پر طپش کے بارے میں مؤلف کے بیانات آپس میں متصادم ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"طپش کا نام اگرچہ فورٹ ولیم کالج کے باقاعدہ منشیوں اور اہل قلم میں شامل نہیں تھے مگر وہ بھی ایک

۱۔ ڈاکٹر پرکاش مونس: "اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر"۔ طبع اول، الہ آباد، — ۱۹۷۸ء، ص ۳۹۶۔

۲۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم، "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" ص ۵۳۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمانے میں فورٹ ولیم کالج کے متوسل تھے ۔ ۔ ۔ اس لحاظ
سے وہ بھی اس کالج کے ارباب قلم میں شامل ہیں“

یہاں قاری کی مشکل یہ ہے کہ اس عبارت سے کیا نتیجہ نکالے ۔ اس کے بعد انھوں نے طپش کی ولادت کے ذیل میں ڈاکٹر فیلن کا قول کسی تبصرے کے بغیر نقل کیا ہے ، اگر جہاں دار شاہ کی ملازمت، سائل اور درد کی شاگردی، اور بنارس میں علی ابراہیم خاں خلیل سے ملاقات ، سے اس قول کو یکجا کر کے دیکھیں تو اس کا وضاحت طلب ہونا بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے ۔

● صفحہ ۱۸۳ ، پر طپش کے استاد مرزا یار محمد بیگ سائل دہلوی کے بارے میں مؤلف کے الفاظ ہیں :

”سائل بہت گمنام شاعر ہیں ان کے نہ تو حالات ہی ملتے ہیں اور نہ کلام شائع ہوا ہے ... الخ“

خلیل الرحمان داؤدی مؤلف کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

” یہ بیان انتہائی غیر ذمے دارانہ ہے ۔ نہ تو سائل گمنام شاعر ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ ان کے حالات نہیں ملتے ۔ البتہ یہ درست ہے کہ ان کا کلام شائع نہیں ہوا ۔ محض کلام کی عدم طباعت کی وجہ سے انھیں گمنام لکھ دینا بڑی زیادتی ہے “ ۱

اس کے بعد خلیل الرحمان داؤدی نے ان متعدد تذکروں کے نام گنوائے ہیں جن میں سائل دہلوی کا ذکر موجود ہے اور مؤلف کے بیان کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

۱۔ مرزا جان طپش : ”بہارِ دانش“ ، مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی ، طبع اوّل، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب ، ۱۹۶۳ء ، ص ۳ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"سید محمد صاحب کے پیش نظر محض "مخزن الشعراء"
ہی تھا اور وہ اسے دیکھنے کے بعد سمجھ گئے کہ
کسی اور نے سائل کا تذکرہ نہیں کیا" ۱

طپش کے اساتذہ کے ضمن میں مؤلف نے صرف سائل اور درد کے نام لکھے ہیں اور ہدایت اللہ خاں ہدایت کا ذکر نہیں کیا۔ جن کی نشان دہی ایک معاصرانہ شہادت ۲ سے ہوتی ہے، جسے خلیل الرحمان داؤدی ۳ اور ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۴ نے بھی درست تسلیم کیا ہے۔

● صفحہ ۱۸۵، جہان دار شاہ کے انتقال کا سال بہ قول مؤلف ۱۲۰۱ھ ہے ہرچند شہزادے کے انتقال کا سنہ خلیل الرحمان داؤدی ۵ نے بھی یہی لکھا ہے، مگر ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو ۶ اور ڈاکٹر وحید قریشی ۷ کے بہ قول شہزادے کے انتقال کی صحیح تاریخ ۲۵ شعبان ۱۲۰۲ھ/یکم جون ۱۷۸۸ء ہے۔

۱۔ مرزا جان طپش: "بہار دانش"، ص ۴۔
۲۔ قدرت اللہ قاسم: "مجموعہ نغز"، مرتبہ محمود شیرانی، طبع اول، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۳۳ء، ص ۳۶۷۔
۳۔ مرزا جان طپش: "بہار دانش"، ص ۴۔
۴۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۱۷۹۔
۵۔ مرزا جان طپش: "بہار دانش"، ص ۵۔
۶۔ سید حیدر بخش حیدری دہلوی: "گلشن ہند"، ص ۴۷۔
۷۔ مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ: "دیوان جہاں دار"، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء ص ۵۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● علاوہ ازیں مؤلف کے خیال میں طپش کی شاعری کا آغاز مرزا جہاں دار شاہ کی ملازمت کے بعد اور لکھنؤ میں ہوا، جب کہ ان کے تینوں اساتذہ سائل دہلوی، درد دہلوی اور ہدایت دہلوی کا تعلق دہلی سے ہے۔ اور پھر تذکرہ "گل زار ابراہیم" میں ان کا ذکر موجود ہے، جو کہ "۱۱۹۸ھ/۸۴-۱۷۸۳ء" ۱ کی تالیف ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ طپش ۱۱۹۸ھ میں جہاں دار شاہ کے ہمراہ لکھنؤ آئیں اور شاعری کا آغاز کریں اور اسی سال اتنی مقبولیت حاصل کرلیں کہ "گل زار ابراہیم" میں جگہ پاسکیں۔

● صفحہ ۱۸۶ پر "کلیات طپش" کے بارے میں مؤلف کے دو متضاد بیان درج ہیں، اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"۱۸۱۱ء میں ان کا کلیات بھی کالج کی طرف سے شائع ہوا۔"

"گیارھویں سال یعنی ۱۸۱۲ء میں ان کے کلیات کا ایک نسخہ کالج نے خرید لیا۔"

گویا کہ طپش کا کلیات کالج نے خریدنے سے ایک سال پہلے شائع کردیا۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کالج نے یہ کلیات ۱۸۱۱ء میں خریدا اور ۱۸۱۲ء میں شائع کیا۔ ۲ اس سلسلے میں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۸۱۲ء گیارھواں سال کس حساب سے کہلائے گا۔

اسی کلیات کے بارے میں مؤلف مزید لکھتے ہیں کہ "اب

۱۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری: "اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری"، ص ۱۹۳۔

۲۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" ص ۱۸۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے نسخے بالکل ناپید معلوم ہوتے ہیں مختلف تذکروں میں ۲۵ شعر منقول ہیں"۔

اس سلسلے میں یہ بات تو درست ہے کہ مطبوعہ "کلیات طپش" کے نسخے اب ناپید ہیں مگر یہ غلط ہے کہ مختلف تذکروں میں طپش کے کل ۲۵ شعر منقول ہیں۔ ان محفوظ اشعار کی صحیح تعداد کل ۱۷ ہے اور بڑی تعداد میں جن تذکروں میں محفوظ ہیں ان کے نام یہ ہیں "تذکرۂ ہندی"۱، ۳ اشعار، "مجموعہ نغز" ۲، ۲۵ اشعار اور "گلشن بے خار" ۳، ۹ اشعار۔ اب یہ تمام ۱۷ اشعار خلیل الرحمان داؤدی نے "بہار دانش" مطبوعہ مجلس ترقیٔ ادب لاہور کے مقدمے میں تہجی ترتیب کے ساتھ نقل کر دیے ہیں۔

● صفحہ ۱۹۰، "شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان" کے بارے میں مؤلف لکھتے ہیں کہ اس میں "۲۷۵ محاورات کو ردیف وار مرتب کیا ہے" جب کہ اس میں ۲۹۰ مصطلحات و محاورات مرتب کیے گئے ہیں۔

● صفحہ ۱۹۱، پر مؤلف نے "سیر المصنفین" ۴ کے تتبع میں شیخ عنایت اللہ کنبوہ لاہوری کو عنایت اللہ بنگالی لکھا ہے۔

● صفحہ ۱۹۲، پر "بہار دانش" کی تاریخ تالیف "۱۲۱۷ھ/۱۸۰۹ء"

۱۔ غلام ہمدانی مصحفی: "تذکرۂ ہندی"، مرتبہ مولوی عبدالحق، طبع اول، اورنگ آباد (دکن)، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء، ص ۱۰۵-۱۳۷

۲۔ قدرت اللہ قاسم: "مجموعہ نغز"، مرتبہ محمود شیرانی، طبع اول، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۳۳ء، ص ۳۶۸-۳۶۹۔

۳۔ محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ: "گلشن بے خار"، ص ۹۷، ۹۸۔

۴۔ محمد یحییٰ تنہا: "سیر المصنفین"، ص ۱۹۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھی ہے، اس میں ۱۲۱۷ھ تو درست ہے مگر عیسوی مطابقت غلط ہے، اس کی صحیح مطابقت ۱۸۰۲-۰۳ء ہے۔

● صفحہ ۱۹۶ پر جوان کا پورا نام مرزا کاظم علی جوان لکھا ہے جب کہ اسی کتاب کی فہرست میں صفحہ ۲ پر میر کاظم علی جوان درج ہے۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۱ کے بقول انکے معاصر ولاؔ نے دیباچہ "جہانگیر شاہی" میں انکا نام حسن علی خاں عرف کاظم لکھا ہے، حالانکہ خود جوان نے "سکنتلا" کے آغاز میں اپنا نام "کاظم علی جوان" ۲ ظاہر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بیشتر تذکرہ نگاروں اور تاریخ نویسوں ۳ نے جوان کا یہی نام تحریر کیا ہے۔ سوائے ڈاکٹر جاوید نہال ۴ کے جنھوں نے ولاؔ کے بیان سے اتفاق کیا ہے۔ اسی صفحے پر مؤلف مزید رقم طراز ہے کہ:

"کرنل اسکاٹ رزیڈنٹ لکھنؤ نے جو کاظم علی کے تبحّر علمی سے واقف تھے ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کی مدرسی کے لیے ان کی سفارش کی"۔

جب کہ جوان نے اپنی تقرری کا جو احوال بیان کیا ہے اس میں واضح طور پر یہ عبارت موجود ہے۔ کہ "کرنل اسکاٹ صاحب . . .

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم، "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" ص ۲۰۳۔

۲۔ کاظم علی جوان: "سکنتلا"، مع مقدمہ ڈاکٹر محمد اسلم قریشی، طبع اول، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۶۳ء، ص ۴۔

۳۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے:
"گلشن سخن" ص ۹۶ "گلزار ابراہیم" ص ۹۳، "خوش معرکہ زیبا" ص ۵۹۲۔ "تاریخ ادب اردو" سکسینہ، ص ۱۱ "داستان تاریخ اردو" حامد حسن قادری، ص ۱۲۰۔

۴۔ ڈاکٹر جاوید نہال: "بنگال کا اردو ادب" ص ۱۲۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے . . . کتنے شاعروں کو سرکار عالی [کمپنی بہادر] کے ملازموں میں سرفراز فرما کر اشرف البلاد کلکتے کو روانہ کیا۔ انھوں میں یہ احقر بھی یہاں وارد ہوا"[1] نیز اس کے ثبوت میں خود کرنل اسکاٹ کا مراسلہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے جس میں انھوں نے چیف سیکریٹری کو اس تقرری کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے:

"... یہ خط میرزا کاظم علی آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جو منشی اور شاعر ہیں۔ ان کو ۸۰ روپیہ ماہانہ پر کالج کے لیے ۱۰ تاریخ ماہ حال سے میں نے بھرتی کیا ہے"[2]

● صفحہ ۱۹۷، "جہاں نے دیوان جہاں میں جو ۱۸۱۴ء م ۱۲۲۷ھ میں تالیف ہوا . . ."

جب کہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم[3] کے مطابق "دیوان جہاں" ۱۸۱۲ء میں مرتب ہوا کیوں ۱۸۱۲ء کی مطابقت ۱۲۲۷ھ سے ہے اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ سہو کاتب ہوگا لیکن چوں کہ اس اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۵ پر مؤلف نے جہاں کے ذکر میں اس تذکرے کے لیے ڈاکٹر اسپرنگر کے دیے ہوئے سال تالیف ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء کو غلط قرار دے کر درست سال تالیف مع مطابقت ۱۲۲۹ھ م ۱۸۱۴ء لکھا ہے اور اپنے اس بیان کا ماخذ خود جہاں کو قرار دیا ہے۔ اس لیے سہو کاتب ۱۸۱۴ء نہیں ۱۲۲۷ھ ٹھہرتا ہے۔ تصدیق مزید کے لیے ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صفحہ ۱۷۳۔

یہ غلطی بھی مؤلف کی ان غلطیوں میں سے ایک ہے جس

۱۔ کاظم علی جواں: "سکنتلا" ص ۳۔

۲۔ محمد عتیق صدیقی: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، ص ۱۳۸۔

۳۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۵۸۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بعد کے لوگوں نے مثلاً کریم الدین احمد ۱۔ حامد حسن قادری ۲۔ اور محمد یحییٰ تنہا ۳۔ وغیرہ نے جوں کا توں قبول کر کے آگے بڑھا دیا۔

● صفحہ ۱۹۸، "سکنتلا" کے نام کے ساتھ مؤلف نے متعدد جگہ ناٹک بھی لکھا ہے۔ مثال کے طور پر "ان کی کتاب 'سکنتلا' ناٹک ہے"، "ھندی کے مشہور ڈراما 'سکنتلا' کو اس نام سے اردو میں ترجمہ کیا" نواز کبیسور کے ھندی ترجمے سے اپنا اردو ترجمہ مرتب کیا۔" صفحہ ۱۹۹، اور صفحہ ۲۰۰، پر مزید رقم طراز ھیں:

"بہرحال کاظم علی کو اس خصوص میں دوسرے ڈراما نویسوں پر ایک قسم کا تقدم حاصل ھے۔ انھوں نے اس کے ذریعے اردو کو پہلی مرتبہ ڈراما سے روشناس کرایا"۔

شاید مؤلف نے اس ترجمے کو خود نہیں دیکھا ورنہ اس کہانی کو ڈراما لکھنے کی غلطی نہ کرتے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد اسلم قریشی لکھتے ھیں کہ:

"ھمیں معلوم ھے کہ یہ کتاب ناٹک نہیں ھے۔ جس کتاب سے اس کہانی کو اردو میں ڈھالا گیا ھے وہ بھی ڈراما نہیں ھے۔ نہ نواز کی 'سکنتلا' ڈرامے کی صورت میں تھی اور نہ جوان کی 'سکنتلا' ڈرامے کے انداز میں ھے۔ مولوی سید محمد نے جوان کے سر ڈراما نویسی میں اولیت کا سہرا یونہی باندھ دیا ھے۔ ان

۱۔ کریم الدین احمد و ایف فیلن: "طبقات الشعرائے ھند"، (طبقہ سوم) مرتبہ عطا کاکوی، پٹنہ، دائرہ ادب، ۱۹۶۷ء، ص ۶۳۔

۲۔ حامد حسن قادری: "داستان تاریخ اردو"، ص ۱۳۵۔

۳۔ محمد یحییٰ تنہا: "سیر المصنفین"، ص ۱۹۱۔

۴۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۵۸۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے کسی کو بھی ترجمہ نہیں کہہ سکتے بلکہ
نواز اور جوان نے ایک ہی کہانی کو اپنے اپنے طور
پر نظم و نثر کا جامہ پہنایا ہے" ۔۱

مؤلف مزید رقم طراز ہیں کہ "مگر اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی" پھر ایک سطر کے بعد اطلاع دیتے ہیں کہ "اس کی پہلی اشاعت ۱۸۰۴ء میں ہوئی" اور اس سے پہلے خود ہی کہہ چکے ہیں کہ "۱۸۰۲ء میں گل کرسٹ کے 'بیاض ہندی' میں اس کا طویل اقتباس شائع ہوا" یہاں قاری یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ "مگر اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی" سے مؤلف کی مراد کیا ہے۔

● صفحہ ۱۹۹، "سکنتلا" کے دیباچے کی جو عبارت مؤلف نے نقل کی ہے اس میں ایک جگہ سال عیسوی ۱۸۱۲ لکھا گیا ہے، جب کہ "سکنتلا" مطبوعہ مجلس ترقیٔ ادب، لاہور، ۱۹۶۳ء میں اس موقعے پر "۱۸۰۰" ۲ درج کیا گیا ہے۔ یہ دونوں غلط معلوم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ دیباچہ ظاہر ہے کہ "سکنتلا" کی پہلی اشاعت کے موقعے پر یعنی ۱۸۰۴ء میں لکھا گیا ہے۔ اس لحاظ سے وہ نسخہ جو ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۳ کے پیش نظر ہے وہ درست ہے کیوں کہ اس میں ۱۸۰۴ء درج ہے۔

● صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰، "ایک فوجی سردار مولبی خاں ولد خدائی خاں ... جس کو... عظیم خاں کا خطاب ملا تھا"۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند جین، پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب

۱۔ کاظم علی جوان: "سکنتلا"، ص ۳۰۔
۲۔ کاظم علی جوان: "سکنتلا"، ص ۴۔
۳۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۲۵۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ " نواز کا سرپرست فرخ سیر کے عہد کا امیر محمد صالح خاں ملقب بہ فدائی خاں و اعظم خاں تھا " ۱

● صفحہ ۲۰۵ ، "بارہ ماسہ" کے سلسلے میں مؤلف کا بیان ہے کہ " یہ منظوم رسالہ ۱۸۰۲ء میں تصنیف ہوا اور ۱۸۰۳ء میں کلکتہ سے شائع کیا گیا " جب کہ " بارہ ماسہ " ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء میں مکمل ہوا ، اور ۱۸۱۲ء میں ہندوستانی پریس سے شائع ہوا " ۲

● صفحہ ۲۰۶ ، "جوان نے ۱۸۰۹ء میں 'تاریخ فرشتہ' کے ایک بڑے حصّے کا . . . ترجمہ کیا تھا " اس سلسلے میں ڈاکٹر عبیدہ بیگم " انالس آف دی کالج آف فورٹ ولیم " صفحہ ۱۵۹ کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ "جوان نے ۱۸۰۷ء میں 'تاریخ فرشتہ' سے سلاطین بہمنی سے متعلق حصے کا ترجمہ کیا تھا " ۳

● صفحہ ۲۰۷ ، مؤلف نے " کلیات میر" (۱۸۱۱ء) کا ذکر "انتخاب کلیات سودا " (۱۸۱۲ء) سے پہلے کیا ہے ۔ اسی طرح "بارہ ماسہ" (۱۲۱۲ھ/۱۸۰۳ء) کا ذکر پہلے اور " سنگھاسن بتیسی" (۱۸۰۱ء) کا ذکر بعد میں کیا ہے ۔ جب کہ انھیں یہاں بھی زمانی ترتیب قائم رکھنی چاہیے تھی :

● صفحہ ۲۰۸ ، پر شیخ حفیظ الدین احمد کے خاندان کے ایک صاحب رشد و ہدایت بزرگ کا نام شیخ سعدی عرف "پیراں" لکھا گیا ہے ، جو کہ سہو کاتب معلوم ہوتا ہے ۔ کیوں کہ ڈاکٹر عبیدہ

۱۔ ڈاکٹر گیان چند جین : " اردو کی نثری داستانیں " ، ص ۳۱۳ ۔

۲۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم : " فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات "، ص ۵۱۵ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ۶۲۹ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیگم ۱ نے اس موقع پر "میراں" لکھا ہے۔ سید عابد علی عابد ۲ نے اپنے مقدمے مشمولہ "خسرو افروز" مطبوعہ مجلس ترقیٔ ادب، لاہور میں شیخ حفیظ الدین احمد سے متعلق جو کوائف دیے ہیں، چوں کہ وہ "ارباب نثر اردو" سے منقول ہیں، اس لیے وہ خارج از بحث ہے۔

● صفحہ ۲۱۱، "کلیلہ و دمنہ" کے فارسی مترجم کا نام مؤلف نے "ملا حسین الواعظ کاشفی" لکھا ہے جب کہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۳، محمد یحییٰ تنہا ۴ اور سید عابد علی عابد ۵ نے بالترتیب ملا حسین واعظ اور ملا حسین کاشفی" لکھا ہے۔

● صفحہ ۲۱۶، خلیل علی خاں اشک کی گمنامی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ "ان کی مؤلف کتابیں بھی ان کے حالات پر کچھ روشنی نہیں ڈال سکتیں" جب کہ "داستان امیر حمزہ" میں اشک اپنا پورا نام مع تخلص کے اور "انتخاب سلطانیہ" کے دیباچے میں اپنے سوانحی کوائف کسی قدر تفصیل سے درج کر چکے ہیں۔ جس کی خبر اتفاق ہے کہ مؤلف کو نہ ہو سکی۔ لیکن اب اشک کے حالات زندگی کے سلسلے میں ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۶ کا مقالہ

۱۔ ایضاً، ص ۱۹۶۔

۲۔ شیخ حفیظ الدین احمد: "خسرو افروز" مقدمہ از سید عابد علی عابد، طبع اول، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۶۳ء، ص ۳۸۔

۳۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۳۵۱۔

۴۔ محمد یحییٰ تنہا: "سیرالمصنفین"، (جلد اول)، ص ۵۹۔

۵۔ حفیظ الدین احمد: "خرد افروز"، ص ۱۵۔

۶۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۱۶۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برائے پی، ایچ ڈی "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" کافی معلومات فراہم کرتا ہے۔

● صفحہ ۲۱۸، مؤلف نے اشک کی تصانیف کی تعداد چار بتائی ہے۔ جب کہ محمد یحییٰ تنہا ۱ اور نادم سیتا پوری ۲ اشک کی تصانیف کی تعداد کل دو بتاتے ہیں، ڈاکٹر جاوید نہال ۳ اور ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۴ کے مطابق اشک کی تصانیف کی تعداد چھے بنتی ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلے میں ایک بات یہ کہ مؤلف نے "داستان امیر حمزہ" کو "قصۂ امیر حمزہ" لکھا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان کب شائع ہوئی۔ اور دوسری بات یہ کہ ان کی تصانیف کے ذیل میں بھی مؤلف نے زمانی ترتیب کا خیال نہیں رکھا۔

● صفحہ ۲۳۳، مؤلف کا بیان ہے کہ "مولوی اکرم علی، ڈاکٹر گل کرسٹ کے وطن واپس ہو جانے کے بعد فوٹ [صحیح فورٹ] ولیم کالج میں ملازم ہوئے" اس سلسلے میں نادم سیتا پوری رقم طراز ہیں کہ:

> "ہوسکتا ہے ۱۸۰۳ء سے پہلے یہ اپنے دوسرے ساتھی مولوی حفیظ الدین کی طرح شعبۂ تصنیف و تالیف میں نہ لیے گئے ہوں بلکہ کالج کے ایک ٹیچر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہوں لیکن ۱۸۰۰ء میں جب کالج قائم ہوا تو ان کی خدمات ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت سے کالج میں ضرور منتقل کردی گئی تھیں۔" ۵

۱۔ محمد یحییٰ تنہا: "سیر المصنفین"، ص ۱۹۹۔
۲۔ نادم سیتا پوری: "فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی"، ص ۲۵۹۔
۳۔ ڈاکٹر جاوید نہال: "بنگال کا اردو ادب"، ص ۱۴۹ تا ۱۶۲۔
۴۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۱۶۵۔
۵۔ نادم سیتا پوری: "فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی"، ص ۱۳۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

• اسی صفحے پر مؤلف رسائل 'اخوان الصفاء' کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں کہ :

"یہ رسائل بصرہ کی ایک علمی انجمن موسوم بہ 'اخوان الصفاء' کی یادگار اور دس مختلف علم دوست آدمیوں کی تحقیقات اور موشگافیوں کا ماحصل ہیں"۔

اس موضوع پر کم و بیش یہی رائے ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۱ کی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا ماخذ "اخوان الصفاء" کا دیباچہ ہے۔ جب کہ اس سلسلے میں نادم سیتاپوری کا خیال ہے کہ :

"چوتھی صدی ہجری کی یہ نیم الہامی کتب اس دور کے مشرقی علوم کا ایک ایسا راز سربستہ ہیں جس کے مصنف کی تلاش و جستجو میں آج ایک ہزار سال سے ماہرین علم و فن سرگرداں ہیں، اور ہزار برس گذرنے کے باوجود اب تک قطعی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ یہ رسائل کسی ایک شخص کی تصنیف ہیں یا ان متعدد افراد علم کی بصیرت افروزی کا نتیجہ جنہیں 'اخوان الصفاء' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے"۲۔

بعد از آں ان رسائل کی تعداد مؤلف نے اکاون بتائی ہے، جب کہ نادم سیتاپوری کے مطابق "اخوان الصفاء . . . اکیاون یا ترپن رسالوں کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے" ۳۔

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم : "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۲۲۰۔
۲۔ نادم سیتاپوری : "فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی"، ص ۱۹۳۔
۳۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● صفحہ ۴۳۴، مؤلف نے تراب علی نامی کو اکرام علی کا بھائی بتایا ہے۔ جب کہ وہ اکرام علی کے سگے نہیں، رشتے کے بھائی تھے۔

● صفحہ ۲۳۶، "لنگوسٹک سروے آف انڈیا" کے حوالے سے مؤلف "اخوان الصفاء" کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۱۱ء یعنی تالیف کے ایک سال بعد ہی شائع ہوا" جب کہ "اخوان الصفاء" پہلی بار ۱۸۱۰ء میں ہندوستانی پریس سے شائع ہوئی۔۱

● مؤلف "طبقات الشعرائے ہند" کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ "اکرام علی ۱۸۱۴ء میں کالج کے محافظ کتب خانہ تھے" اس سلسلے میں کسی ۲ نے ۱۸۰۶ء اور کسی ۳ نے ۱۸۱۴ء لکھا ہے جب کہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۴۔ کے مطابق "واقعہ یہ ہے کہ وہ اکتوبر ۱۸۱۶ء میں لائبریرین مقرر ہوئے"۔

● صفحہ ۲۴۱، نہال چند لاہوری کے بارے میں مؤلف کا بیان ہے کہ "فورٹ ولیم کالج کے منشیوں میں سے نہال چند لاہوری بھی بہت مشہور ہیں" یہ ایک عام مغالطہ ہے کہ نہال چند لاہوری، فورٹ ولیم کالج کے باقاعدہ ملازم تھے۔ جس کا شکار پروفیسر سید

۱۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۹۵۔

۲۔ ڈاکٹر جاوید نہال: "بنگال کا اردو ادب"، ص ۲۹۹۔

۳۔ رام بابو سکسینہ، "تاریخ ادب اردو" ص ۴۱ اور مرتبین "تاریخ مسلمانان پاکستان و ہند، جلد ہشتم، لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۸۳۔

۴۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۲۰۱، ۲۰۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقار عظیم ۱ اور ڈاکٹر جاوید نہال ۲ بھی ہیں۔ جب کہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم اپنے مقالے میں اس خیال کی تردید ان الفاظ میں کرتی ہیں "نہال چند شعبۂ ہندوستانی کے باضابطہ ملازم نہیں تھے۔ ۳"

● صفحہ ۲۴۲ پر مؤلف لکھتے ہیں کہ :

"یہ قصہ ابتداً شیخ عزت اللہ بنگالی نے جو سنہ ۱۲۲۴ھ میں فوت ہوا ہے فارسی میں اپنے ایک عزیز دوست نذر محمد کے ایما سے تصنیف کیا تھا"

مذکورہ عبارت میں پہلی غلطی تو یہ ہے کہ ۱۲۲۴ء کو شیخ عزت اللہ بنگالی کے سالِ وفات کے طور درج کیا ہے۔ جو صریحاً غلط ہے۔ مؤلف نے اس موقعے پر ۱۱۲۴ھ لکھا ہوگا جو سہو کاتب سے ۱۲۲۴ء ہوگیا ہے کیوں کہ اگلے ہی صفحے پر خود مؤلف نے ۱۲۱۷ھ کو ترجمے کے سال کے طور پر قبول کیا ہے۔ اس غلطی کو سہو تسلیم کرنے کے بعد اس عبارت میں ایک اور الجھن یہ ہے کہ پھر فارسی قصے کا سنہ تصنیف کیا ہے؟ اور اس لحاظ سے ۱۱۲۴ھ کی کیا اہمیت ہے؟ کریم الدین احمد، ۴ رام بابو سکینہ ۵

۱۔ پروفیسر سید وقار عظیم: "فورٹ ولیم کالج ۔ تحریک اور تاریخ"، ص ۱۳۶۔

۲۔ ڈاکٹر جاوید نہال: "بنگال کا اردو ادب ۔ انیسویں صدی میں"، ص ۱۸۲۔

۳۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" ص ۲۱۱۔

۴۔ کریم الدین احمد: "طبقات الشعرائے ہند"، (طبقہ سوم)، مرتبہ کاکوی، پٹنہ، دائرۂ ادب، ۱۹۶۷ء ص ۴۷۔

۵۔ رام بابو سکینہ: "تاریخ ادب اردو"، ص ۱۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خلیل الرحمان داؤدی ۱ نے ۱۱۲۴ھ کو اس قصے کا سنہ تالیف تسلیم کیا ہے۔ اور یہی نہال چند لاہوری ۲ کے مطابق نذر محمد کے انتقال کا سال ہے۔ حالانکہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے فارسی مخطوطات کے فہرست نگار ۳ نے اور انڈیا آفس لائبریری کے فارسی مخطوطات کے فہرست نگار ایتھے Ethe ۴ نے قصے کا سال تصنیف ۱۱۳۴ھ/ ۱۷۲۲ء درج کیا ہے اور ڈاکٹر گیان چند جین ۵ نے بھی اسی کو درست تسلیم کیا ہے۔ لیکن بقول ڈاکٹر عبیدہ بیگم یہ تاریخ "دراصل نذر محمد کی وفات کی تاریخ ہے۔" ۶ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحبہ ایک قلمی نسخے کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ :

> "نہال چند سے نذر محمد کا سنہ وفات درج کرنے میں سہو ہوا ہے، عزت اللہ بنگالی نے نذر کا سنہ وفات ۱۱۳۴ھ درج کیا ہے" ۷

تیسرا اعتراض اس عبارت پر یہ ہے کہ اس کے مطابق "مذہب عشق" کی اصل شیخ عزت اللہ بنگالی کی فارسی تصنیف ہے۔ ہرچند کہ اس

۱۔ نہال چند لاہوری : "مذہب عشق" مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی، طبع اوّل، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۶۱ء، ص ۱۔

۲۔ ایضاً، ص ۴۔

۳۔ آئیوانو: فہرست مخطوطات فارسی، سوسائٹی کلیکشن، نمبر ۳۱۱، ص ۱۳۴ بحوالہ ڈاکٹر عبیدہ بیگم۔

۴۔ ایتھے : فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس لائبریری لندن، ج ۱، ص ۵۳۵۔

۵۔ ڈاکٹر گیان چند جین : "اردو کی نثری داستانیں"، ص ۲۱۲۔

۶۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم : "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، ص ۲۳۷۔

۷۔ ایضاً، ص ۲۳۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات کی تائید کئی اور ذرائع سے بھی ہوتی ہے لیکن خلیل الرحمٰن داؤدی اس کی تردید کرتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں :

"یہ مسلم ہے کہ عزت اللہ بنگالی کا فارسی قصہ تاج الملوک اور گل بکاولی کی داستان اولین نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دیا شنکرنسیم کی "گل زار نسیم" ۱۲۵۴ھ کا ماخذ نہال چند لاہوری کا اردو قصہ مذہب عشق، ۱۲۱۷ھ ہی نہیں ہے بلکہ نسیم کے سامنے اس قصے پر مشتمل کم از کم ایک اردو مثنوی مسمیٰ بہ باغ و بہار، ۱۲۱۲ھ مصنفہ ریحان الدین ریحان لکھنوی اور ایک فارسی مثنوی مصنفہ رفعت لکھنوی بھی ہیں" ۱-

اس سلسلے میں خلیل الرحمان داؤدی نے "مذہب عشق" شائع کردہ مجلس ترقی ادب، لاہور کے مقدمے میں ایک طویل اور مدلل بحث کی ہے، جو اس موضوع سے مزید دلچسپی رکھنے والے حضرات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

● صفحہ ۳۴۳، پر "مذہب عشق" کا سنہ اشاعت ۱۸۱۳ء درج ہے، مؤلف کے علاوہ بیلی ۲ نے اس کا سنہ ۱۸۰۲ء لکھا ہے، یہ دونوں غلط ہیں۔ اس کا صحیح سال اشاعت ۱۸۰۴ء ہے اور پروفیسر سید وقار عظیم ۳ ڈاکٹر گیان چند جین ۴ خلیل الرحمان

۱- نہال چند لاہوری : "مذہب عشق" ص ۳-

۲- گراہم بیلی : "اے ہسٹری آف اردو لٹریچر"، پاکستانی ایڈیشن لاہور، البیرونی، ۱۹۷۷ء، ص ۸۲-

۳- سید وقار عظیم : "فورٹ ولیم کالج : "تحریک اور تاریخ"، ص ۱۳۶-

۴- ڈاکٹر گیان چند جین : "اردو کی نثری داستانیں"، ص ۲۱۱-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داؤدی ۱ اور ڈاکٹر عبیدہ بیگم ۲ سب نے اس کو درست قرار دیا ہے

ان کے علاوہ چند فروگزاشتوں کی طرف مولوی عبدالحق ۳ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ جو اہمیت کے پیش نظر ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ شاہ ولی اللہ اشتیاق کو مؤلف نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سمجھا ہے، میر تقی میر اور میر حسن کے تذکروں کے شائع ہونے کے بعد یہ غلطی نہیں ہونی چاہیے تھی۔

۲۔ محمد خلیل خاں یا خلیل علی خاں اشک کی تالیفات میں "انتخاب سلطانیہ" کا مطلق ذکر نہیں کیا گیا۔

۳۔ سر سید احمد خاں مرحوم کے متعلق مؤلف لکھتے ہیں "اپنی کتاب 'آثارالصنادید' کے پہلے ایڈیشن کے وقت اس کو الہی بخش سے لکھواتے تھے" الہی بخش کوئی آدمی نہیں تھا، سید امام بخش صہبائی تھے جو فارسی کے بڑے استاد اور ادیب گزرے ہیں۔

(۳)

گذشتہ صفحات میں "ارباب نثر اردو" کے ابتدائی ۲۴۳ صفحات کی معلومات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہاں ان توجہ طلب مقامات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جن کی وجہ سے کتاب کے مجموعی تاثر میں فرق پڑتا ہے مثلاً تعریض و تعلی، کی شکایت مولوی عبدالحق نے اپنے تبصرے میں کی ہے۔ اور اغلاط

۱۔ نہال چند لاہوری : "مذہب عشق" ص

۲۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم : "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" ص ۲۳۸۔

۳۔ مولوی عبدالحق : تبصرہ، سہ ماہی اردو، انجمن ترقیٔ اردو، بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء، ص۶۸۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابت جس کی وجہ سے مفہوم کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے مثلاً ص ۱۰۶ - ۱۰۷ پر بٹالہ کو پٹیالہ لکھ دیا گیا ہے۔

اس جائزے کے بعد جو باتیں سامنے آئی ہیں وہ کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام، پس منظر، اغراض و مقاصد، اثرات اور اس کے اہل قلم کے احوال و آثار اور انکی تصنیفی خدمات کا جائزہ جیسا کچھ کہ اس وقت تک کے دستیاب مصادر و منابع کی روشنی میں لیاجاسکتا تھا، مؤلف نہیں لے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت کمی نظر آتی ہے۔ یہ کمی اس وقت تک کی دستیاب معلومات کے لحاظ سے تو ہے ہی مگر بعد کی فراہم شدہ معلومات کے لحاظ سے تو اور زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

فورٹ ولیم کالج پر بہت سا دستاویزی مواد محفوظ ہے، محمد عتیق صدیقی، ڈاکٹر نجم الاسلام اور ڈاکٹر عبیدہ بیگم کی تالیفات اس موضوع سے متعلق ایسی معلومات سے پرہیں جن کی روشنی میں اس کالج سے متعلق معلومات کا اضافہ کیا جاسکتا ہے علاوہ ازیں کچھ مصنفین کو جو اس کتاب میں جگہ نہ پاسکے (مثلاً مرزا مغل، مولوی نورعلی اور سید بخشش علی) بطور ضمیمہ شامل کیا جاسکتا اسی طرح لاعلمی کی وجہ سے بعض کتابوں کا مناسب تذکرہ نہ آپایا، اس طرف بھی توجہ کی جاسکتی ہے مثلاً حمیدالدین بہاری کی تصنیف "خوان نعمت" کے بارے میں مفید تفصیلات ڈاکٹر مختارالدین احمد کے ایک مضمون کی مدد سے پیش کی جاسکتی ہیں، جو رسالہ "ندیم" گیا میں ۱۹۴۱ء میں شایع ہوا ہے۔ اس رسالے کی مکمل فائیل بیدل لائبریری، کراچی میں موجود ہے۔ غرض یہ کہ خامیوں کو دور کر کے "ارباب نثر اردو" کا ایک نیا اور، بہتر ایڈیشن ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابیات

۱۔ آزاد، محمد حسین: "آب حیات"، طبع شانزدہم، لاہور، شیخ غلام علی، ۱۹۵۴ء۔

۲۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر: "لکھنؤ کا دبستان شاعری"، لاہور، اردو مرکز، س ن۔

۳۔ احسن مارہروی: نمونۂ منثورات"، طبع نو، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء۔

۴۔ اعجاز حسین، ڈاکٹر: "مختصر تاریخ ادب اردو"، تیسرا پاکستانی ایڈیشن، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۱ء۔

۵۔ افسر صدیقی و سرفراز علی رضوی: "مخطوطات انجمن ترقی اردو"، (اردو) جلد اول، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء۔

۶۔ افسوس، میر شیرعلی: "آرائش محفل"، مرتبہ کلب علی خان فائق، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء۔

۷۔ افسوس، میر شیر علی: "باغ اردو"، مقدمہ از کلب علی خان فائق، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء۔

۸۔ اکبر علی بیگ، ڈاکٹر مرزا: "مرزا علی لطف۔ حیات اور کارنامے" طبع اول، حیدرآباد دکن، ادارۂ شعر و حکمت، ۱۹۷۹ء۔

۹۔ پرکاش مونس، ڈاکٹر: "اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر" الہ آباد، شاہین پبلی کیشنز، ۱۹۷۸ء۔

۱۰۔ تحسین، حسین عطا خاں: "نو طرز مرصع"، مرتبہ نور الحسن ہاشمی، طبع اول، الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی، ۱۹۵۸ء۔

۱۱۔ تنہا، محمد یحییٰ: "سیر المصنفین"، (جلد اول)، لاہور، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۰۸ء۔

۱۲۔ جاوید نہال، ڈاکٹر: "بنگال کا اردو ادب، انیسویں صدی میں"، طبع دوم: کلکتہ، عثمانیہ بک ڈپو، ۱۹۸۴ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳ - جمیل جالبی، ڈاکٹر: "تاریخ ادب اردو"، (جلد اول)، طبع دوم لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۴ء -
۱۴ - جوان، کاظم علی: "سکنتلا"، مقدمہ ڈاکٹر محمد اسلم قریشی طبع اول، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۶۳ء -
۱۵ - جوئل واعظ لال: "اردو زبان کی تاریخ"، طبع اول، دھلی، دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۲۰ء -
۱۶ - حامد حسن قادری: "داستان تاریخ اردو"، طبع اول، آگرہ، لکشمی نرائن اگروال، ۱۹۳۱ -
۱۷ - حسینی، میر بہادر علی: "اخلاق ہندی"، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء -
۱۸ - حفیظ الدین احمد: "خرد افروز"، مقدمہ از سید عابد علی عابد طبع اول، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۶۳ء -
۱۹ - حیدری، سید حیدر بخش: "گلشن ہند"، مرتبہ ڈاکٹر مختارالدین احمد، طبع اول، دلی، علمی مجلس، ۱۹۶۷ء -
۲۰ - حیدری، سید حیدربخش: "دیوان حیدری"، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، اورینٹل کالج میگزین، شمارہ مسلسل ۱۶۸ جلد ۴۳، شمارہ ۱، ۱۹۶۷ء -
۲۱ - حیدری، سید حیدربخش: "تذکرۂ حیدری (گلشن ہند)"، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، کراچی، اردو دنیا، ۱۹۶۸ء -
۲۲ - حیدری، سید حیدربخش: "آرائش محفل"، مرتبہ ڈاکٹر محمد اسلم قریشی، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۴ء -
۲۳ - خلیل، علی ابراھیم خاں: "گلزار ابراھیم"، مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، طبع اول، علی گڑھ، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۴ء -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۴ - رضیہ، نورمحمد، ڈاکٹر مس، : اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ"، طبع اول، مکتبۂ خیابان ادب، ۱۹۸۵ء۔

۲۵ - رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر: "اردو نثر کا آغاز و ارتقاء"، کراچی، کریم سنز، ۱۹۷۹ء۔

۲۶ - زور، محی الدین قادری، ڈاکٹر: ؟

۲۷ - سکسینہ، رام بابو: "تاریخ ادب اردو"، مترجم مرزا محمد عسکری، لکھنؤ، نول کشور پریس، طبع چہارم، ۱۹۵۲ء۔

۲۸ - سودا: "کلیات سودا"، طبع پنجم، لکھنؤ مطبع نول کشور، ۱۹۳۲ء۔

۲۹ - سید محمد، : "ارباب نثر اردو"، طبع دوم، حیدرآباد (دکن) مکتبۂ ابراہیمیہ، ۱۹۳۷ء۔

۳۰ - شمس اللہ قادری حکیم، سید: "اردوے قدیم"، طبع اول، حیدرآباد دکن، تاج پریس، سنہ ندارد۔

۳۱ - شیخ چاند: "سودا"، طبع دوم، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۶۳ء۔

۳۲ - شیفتہ، نواب مصطفیٰ خاں: "گلشن بے خار"، مرتبہ کلب علی خاں فائق، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء۔

۳۳ - طپش، مرزا جان: "بہار دانش"، مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی، طبع اول، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب، ۱۹۶۳ء۔

۳۴ - عبدالحی: "گل رعنا"، طبع اول، لاہور، عشرت پبشنگ ہاؤس، ۱۸۶۴ء۔

۳۵ - عبیدہ بیگم، ڈاکٹر: "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات"، طبع اول، لکھنؤ، نصرت پبلشرز، ۱۹۸۳ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۶- عتیق صدیقی، محمد: "گل کرسٹ اور اس کا عہد"، طبع دوم نئی دہلی، انجمن ترقیٔ اردو ہند، ۱۹۷۹ء

۳۷- فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: "اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" طبع اوّل، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۶ء

۳۸- کریم الدین: "طبقات الشعرائے ہند"، (طبقہ سوم) تخلیص از عطا کاکوی، پٹنہ، دائرہ ادب، ۱۹۶۷ء

۳۹- قاسم، قدرت اللہ: "مجموعۂ نغز"، مرتبہ محمود شیرانی، طبع اول، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۳۲ء

۴۰- گیان چند جین، ڈاکٹر: "اردو کی نثری داستانیں"، طبع دوم، کراچی، انجمن ترقیٔ اردو، ۱۹۶۹ء۔

۴۱- مبتلا لکھنوی، مردان علی خاں: "گلشن سخن"، مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب، طبع اول، علی گڑھ، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۶۵ء۔

۴۲- مصحفی، غلام ہمدانی: "تذکرۂ ہندی"، مرتبہ مولوی عبدالحق، طبع اوّل، اورنگ آباد دکن، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء

۴۳- میرامن دہلوی: "باغ و بہار"، مرتبہ ممتاز منگلوری، طبع اول، لاہور، مکتبۂ خیابان ادب، ۱۹۶۶ء۔

۴۴- نادم سیتاپوری: فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی"، لکھنؤ، ادارۂ فروغ اردو، ۱۹۵۹ء

۴۵- ناصر، سعادت خاں: "خوش معرکۂ زیبا"، (جلد دوم) مرتبہ مشفق خواجہ، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۱ء

۴۶- نجم الاسلام، ڈاکٹر: مطالعات"، طبع اول، حیدرآباد سندھ، ادارۂ اردو، ۱۹۹۰ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۷۔ نہال چند لاہوری : "مذہب عشق"، مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء۔

۴۸۔ وجہی، ملا : "سب رس"، مرتبہ مولوی عبدالحق، کراچی؛ انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۷ء۔

۴۹۔ وحید قریشی، ڈاکٹر : "کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ"، طبع اول، لاہور، مکتبۂ ادب جدید، ۱۹۶۵ء۔

۵۰۔ وقار عظیم، سید : "فورٹ ولیم کالج تحریک اور تاریخ"، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمان، طبع دوم، لاہور، یونیورسل بکس ۱۹۸۸ء۔

۵۱۔ ولا، مظہر علی خاں : "بیتال پچیسی"، مرتبہ گوہر نوشاہی، طبع اول، لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۵ء۔

۵۲۔ ولا، مظہر علی خاں : "مادھونل اور کام کندلا"، مرتبہ ڈاکٹر عبارت بریلوی، کراچی، اردو دنیا۔

۵۳۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد ہفتم، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء۔

غیر مطبوعہ مقالہ :

نجم الاسلام، ڈاکٹر : "دبستان دھلی کی نثر"، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء۔

رسائل :

سہ ماھی رسالہ اردو، اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء۔

سہ ماھی صحیفہ، لاہور، مجلس ترقیٔ ادب شمارہ ۲۲ بابت جنوری ۱۹۶۳ء

ایضاً شمارہ ۲۳ بابت اپریل ۱۹۶۳ء

© rasailojaraid.com